مجلد اول | ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۳۴ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۱۶ء | عدد اول

فہرس مضامین

مجلد اول | ماہ شوال سنہ ۱۳۳۴ھ مطابق اگست سنہ ۱۹۱۶ء | عدد دوم

فہرس مضامین

معارِف

مجلس دار المصنّفین کا ماہوار علمی و دینی رسالہ

مرتبہ

سیّد سلیمان ندوی

مجلد اول: شہور ۱۳۳۴ھ مطابق سنہ ۱۹۱۶ء

قیمت: چار روپیہ سالانہ: مع محصول

مطبعۂ معارف میں چھپکر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واھلہ اجمعین

شذرات

رسالہ کا پہلا نمبر ہم رمضان المبارک کے مقدس مہینے سے شروع کرتے ہین کہ ہمارے علوم و معارف کی سب سے پہلی کتاب اسی ماہ مقدس مین نازل ہوئی تھی شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ،

الندوہ سے رخصت ہوکر پانچ چھ برس کے بعد آج ہم پھر پبلک مین آتے ہین، اور معارف کے نام سے ایک دوسرا تحفہ انکی خدمت مین پیش کرتے ہین،

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند،

اس مطبوعات پرستی کے دور مین کسی رسالہ کا عالم وجود مین آنا برسات کی پیدائش عام سے زیادہ وقیع نہین، تاہم جب یہ نظر آتا ہی کہ ہمارے سفر کا ہر قدم آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے پڑتا ہی، تو ہنی سعی بے سود اور جد و جہد لاحاصل پر بھی خوشی ہوتی ہے، چند سال پیشتر ہمارے ملک مین متعدد علمی رسائل تھے لیکن اب ہر طرف سناٹا ہی، اس عالم مین اگر کسی گوشہ سے بھی کوئی لمعۂ برق کوند جاتا ہی تو تسلی کی آنکھین روشن

ہو جاتی ہین کہ اس ظلمکدہ مین ایک تو امید کا چراغ ہی۔

ملک مین روز بروز خالص علمی چیزون کی طرف سے سرد مہری پھیلتی جاتی ہی، فرزندان تعلیم جدید جو ہماری آیندہ توقعات کے رنگ بنیاد تھے وہ اتنے بودے نکلے کہ سر نو ایک نئی عمارت کا بوجھ اٹھانے کی بجائے اپنی پرانی جھوپڑی کو بھی انہدام سے نہین بچا سکتے، علمائے کرام سے امید تھی کہ وہ اس فرض کو سب سے بہتر ادا کر سکینگے کہ انکی تعلیم طلب علم کا نصب العین، دفاتر سرکاری کا اعزاز، اور حطام دنیا کا اکتساب نہین ہی لیکن ان کو ابھی تک **ردالمحتار** کی جزئیات اور **تاتارخانیہ** کے فتاوی سے فرصت کہان؟

اسی بنا پر حضرۃ الاستاذ **علامہ شبلی نعمانی** مرحوم **دار المصنفین** کے ساتھ ساتھ **معارف** نام ایک ماہوار علمی و دینی کا رسالہ کا تخیل بھی رکھتے تھے، ع آن قدح بشکست وآن ساقی نماند، حاشیہ نشینان بساط **شبلی** نے اس محسن اعظم کی یادگار مین فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنی بساط بھر انکی تمام تحریکون کو وہ زندہ رکھینگے، دو سال کی گذشتہ مدت دار المصنفین کے قیام و تاسیس مین صرف ہوگئی، اب جب ادھر سے اطمنان میسر آیا تو دوسرے فرائض یاد آئے، ان مین سے ایک معارف کا بھی اجرا تھا، ہمکو اچھی طرح معلوم ہی کہ ملک ایک خالص علمی رسالہ کی اعانت کے لئے کہان تک تیار ہی، تاہم ہر شخص اپنے فرائض کا ذمہ دار ہی۔

ملک مین اس وقت علم و مذہب کے متعلق جو خیالات بھی پھیلے ہوئے ہین، وہ بالکل غیر معتدل ہین کچھ ایسے اشخاص ہین جو عقل پرستی کے غرور مین مذہب اور مذہبی علوم کے ساتھ جاہلانہ تمسخر سے نہین شرماتے، دوسری طرف حامیان مذہب و علوم مذہبی کا جمہور اعظم ہی، جو عقل، علم، مصالح و حکم فلسفہ و اسرار، کی ضرورت سے منکر ہی، ملک مین دونون قسم کے مضامین اور تصنیفات ہر روز شائع ہوتے ہین، ہماری جماعت صلح عام کی منادی ہی، وہ دونون فریق کو مصالحت کی دعوت دیتی ہے، وہ جدیدہ علوم، تازہ خیالات، نئی تحقیقات کی بجان و دل خریدار ہی لیکن اسکے معاوضہ مین اپنے بزرگون کا اندوختہ نہین کھونا چاہتی ہی، یہ اُن نادانون پر ہنستی ہی جو تمام سرمایہ عمر دیکر بازار فرنگ کی ہر چمکتی ہوئی چیز کے خریدار بن جاتے ہین، وہ ہر چیز کو خریدنے سے پہلے یہ جان لینا چاہتی ہی کہ کیا ہمارے بزرگون کے تاریک تہ خانون مین، ویران خرابون مین، اور مدفون خزانون مین یہ موجود تو نہین؟ اگر ہی تو وہ کون احمق ہوگا جو گھر مین ایک چیز کو چھوڑ کر اسی کی تلاش مین گلیون اور بازارون کی آوارہ گردی قبول کریگا،

دوسری طرف یہ بھی سچ ہی کہ زمانہ بدل گیا ہی، لوگ اپنی وضع تبدیل کر رہے ہین، مذاقِ تمدن، طرز معاشرت، طریق تجارت، اسلوب گفتگو، ہر چیز مین نمایان انقلاب ہی، اب اگر دلی کی پرانی وضع مین، ایک تنگ و تار گلی کے اندر ایک چھوٹی سی دوکان مین بیٹھکر، **ولی** دکنی اور **مظہر** جانجانان کی زبان مین ہم اکسیر بھی بیچین تو کون خریدنے آئے؟ ہمارے گذشتہ علوم و فنون کا بعینہٖ یہی حال ہی، ہم کو اسی سامان و متاع کو لیکر اب نئے ساز و سامان سے موجودہ طرز کی ایک بڑی شاپ مین بیٹھکر شیشہ دار الماریون مین اپنی دوکان سجانی چاہیے،

اس رسالہ کا موضوع اور مقصد بخوبی سمجھنے کے لئے تھوڑی دیر کے واسطے یہ فرض کر لینا چاہیے کہ زمانہ اپنی موجودہ ضرورتون کے ساتھ قائم ہی لیکن موجودہ نسل کی بجائے ہمارے اسلاف کا علمی گروہ دوبارہ دنیا مین آگیا ہی، اس حالت مین اب غور کرو کہ اس گروہ کے کیا علمی مہمات ہونگے،

اس سوال کا جواب قیاسی اور فرضی نہین، بلکہ اصول تجربہ کے موافق دیا جاسکتا ہی،

علمائے سلف اور ان کے کارنامے دونون ہماری آنکھ کے سامنے ہین، ہر شخص جانتا ہی کہ دولت عباسیہ کے زمانہ تک تمام اسلامی علوم بالکل سادگی اور یکرخی حالت مین تھے، دولت عباسیہ کے

ہی وجود کے ساتھ جب نئی ضرورتین پیدا ہوئین تو دفعۃً ایک انقلاب پیدا ہوگیا، سب سے پہلے ایک گروہ پیدا ہوا جس نے مختلف زبانون کے علوم وفنون ترجمہ کے ذریعہ سے عربی زبان مین منتقل کردیئے ایک دوسرے گروہ نے ان نمونون کو سامنے رکھکر اسلامی علوم کے سادہ ایوانون پر مینا کاریان اور نقش آرائیان شروع کردین، عقائد نے **علم کلام** کی صورت اختیار کی، عربیت نے معانی وبلاغت کا قالب بدلا، **اصولِ فقہ** مین منطقی استدلالات پیدا ہوگئے، **تفسیر** مین فلسفہ کی آمیزش ہوگئی، **فرائض** مین علم حساب کے دقیق اصول شامل ہوگئے، ان باتون کے ساتھ ان **علوم قدیمہ** کی غلامی نہین کی، جہان غلطیان دیکھین اصلاح کی، جو فضول حصہ تھا اس کو الگ کردیا، جو حصہ اسلامی علوم مین تحلیل ہوسکتا تھا تحلیل کردیا، جو اصل عقائد سے آکر ٹکراتا تھا اس کو ادھیڑ کر رکھدیا،

آج بعینہ اسی قسم کی حالت اور اسی قسم کا موقع ہے، ممالک مغربیہ نے اکثر علوم وفنون کے قالب بدل دیئے ہین، **فلسفہ** نے بالکل نئی صورت اختیار کی ہے، **منطق** مین نئے برگ وبار پیدا ہوئے ہین، **معانی** وبلاغت کا اسلوب بدل گیا، **تاریخ** ایک قسم کا فلسفہ بن گئی ہے، **مذہبی علوم** مین اب ہزارون نئے مباحث کی ضرورت پیش آگئی ہے، اسلوب ادا اور طرز تعبیر کا اختلاف، اب نئے سرے سے انکی مستقل ترتیب وتہذیب کا طالب ہے،

اسی گذشتہ مثال کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہین کہ اگر آج اسلاف موجود ہوتے تو علوم وفنون جدیدہ کو پیش نظر رکھکر وہی کرتے جو علوم قدیمہ کے ساتھ انھون نے کیا، علم **کلام** کو فلسفۂ جدیدہ کے مقابلہ مین وہ مرتب کرتے، **تاریخ** اور واقعہ نگاری کا انداز بدلتے، علوم وفنون کے متعلق قدیم وحال کی تحقیقات کا موازنہ کرتے اور فیصلہ کرتے کہ کیا چیزین کس حد تک قبول کے قابل ہین، اور نئی تحقیقات کو علوم قدیمہ کے ساتھ کیونکر پیوند دیا جاسکتا ہے، یا اُن کے نمونہ پر علوم قدیمہ کی روش کیونکر بدلی جاسکتی ہے،

یہ سچ ہے کہ آج قوم مین **غزالی** و **رازی**، **بیرونی** و **ابن ہیثم**، **ابن خلدون** و **مقریزی** موجود نہین ہین، تاہم اس کے لئے کام پڑا نہین رہ سکتا، اور جو کچھ کام جہان تک بھی بن آئے وہ قابل قدر ہے،

دار المصنفین علامہ مرحوم کے انہین تخیلات کا نتیجہ تھا، اور آج انہی کائنات کے مطابق انہین مقاصد کو پیش نظر رکھکر کام کو شروع کرنا چاہتے ہین،

گذشتہ بالاخیالات کے مطابق **معارف** سے جن خدمات کی توقعات رکھنی چاہیئے اور اس کے مقاصد مین جو نوعیت پیش نظر ہوگی، وہ حسب ذیل ہے

فلسفۂ حال کے اصول اور اس کا معتدبہ حصہ پبلک مین لایا جائے عقائد اسلام کو دلائل عقلی سے ثابت کیا جائے، علوم قدیمہ کو جدید طرز پر از سر نو ترتیب دیا جائے، علوم اسلامی کی تاریخ لکھی جائے، اور بتایا جائے کہ اصل حصہ کہان تک تھا اور مسلمانون نے اس پر کیا اضافہ کیا، علوم مذہبی کی تدوین اور اس کے عہد بعہد کی ترقیون کی تاریخ ترتیب دیجائے، اکابر سلف کی سوانح عمریان لکھی جائین، جن مین زیادہ تر انکے مجتہدات اور ایجادات سے بحث ہو، عربی زبان کی نادر الفن اور کمیاب کتابون پر ریویو لکھا جائے، اور دکھایا جائے کہ ان خزانون مین ہمارے اسلاف نے کیا کیا زر وجواہر امانت رکھے ہین، اور سب سے آخر لیکن سب سے اول یہ ہے کہ **قرآن مجید** کے متعلق عقلی، ادبی، تاریخی، تمدنی اور اخلاقی مباحث جو پیدا ہوگئے ہین ان پر محققانہ مضامین شائع کئے جائین،

اگر صرف انہی مقاصد پر قناعت کرلی جائے تو بھی ہمارے نزدیک بڑا کام ہے، لیکن چونکہ یہ مضامین عموماً روکھے پھیکے اور مذاق عام مین بے مزہ ہونگے اس لئے ادبیات، مباحث حاضرہ، مطبوعات جدیدہ، انتقاد وتقریظ اور استفسارات علمیہ کے عنوانات سے انکی تلخی دور کرنے کی کوشش کیجائیگی۔

مقالات

روزہ

روزہ، رمضان المبارک، اعتکاف اور لیلۃ القدر کی حقیقت

روزہ، اسلام کی عبادت کا دوسرا رکن ہی، آج جب یہ رسالہ ناظرین کے ہاتھون مین ہوگا، تمام دنیاے اسلام صرف خدا کے نام پر بھوکی اور پیاسی ہوگی،

روزہ کی ابتدائی تاریخ نامعلوم ہی، اور اس کی حقیقت کے متعلق بھی دانایان فرنگ نے کوئی صحیح فیصلہ نہین کیا ہی، ہربرٹ **اسپنسر** اپنی تصنیف پرنسپلز اف سوشیالوجی (اصول معاشرت) مین چند وحشی قبائل کی تمثیل اور استقرار کی بنا پر لکھتا ہی کہ "روزہ کی ابتدا اصل مین اس طرح ہوئی ہوگی کہ لوگ وحشت کے زمانہ مین خود بھوکے رہتے ہونگے اور سمجھتے ہونگے کہ ہمارے بدلے ہمارا کھانا اسطرح ہمارے مردون کو پہنچ جاتا ہی"، الحمد للہ کہ ہمکو اس خیال کی غلطی ثابت کرنے کے لئے کسی مزید کوشش کی ضرورت نہین، یورپ مین اس نظریہ کا عدم قبول خود اس کی بے بنیادی کی دلیل ہی[1]،

بہرحال دیگر مذاہب مین روزہ کی ابتدا اور حقیقت کے خواہ کچھ ہی اسباب ہون، لیکن **اسلام** کا روزہ اپنی ابتدا و غایت کی تشریح مین اپنے پیرون کی وکالت کا محتاج نہین، وہ باآواز بلند مدعی ہی،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (بقرہ)	مسلمانو! روزہ تم پر اسی طرح فرض ہوا جسطرح تم سے پہلی قومون پر لکھا گیا، تاکہ تم پرہیزگار رہو،

[1] انسائکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۴،

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝	ماہ رمضان وہ مہینہ ہی جس مین قران اتارا گیا، جو انسانون کے لئے سرتاپا ہدایت ہی، اور ہدایت کی نشانیان ہین، جو اس رمضان کو پائے اسے چاہیئے کہ وہ اس مین روزہ رکھے، اور اگر کوئی بیمار ہو یا مسافر ہو تو اس کے بدلہ وہ دوسرے دنون مین روزہ رکھ لے، خدا آسانی چاہتا ہی سختی نہین، تاکہ تم روزہ کی تعداد پوری کرسکو اور یہ روزہ اس لئے فرض ہوا تاکہ تم خدا کی اس عطاے ہدایت پر اسکی بڑائی کرو اور شکر بجا لاؤ،

ان آیات پاک مین نہ صرف روزہ کے چند احکام بیان کئے گئے، بلکہ روزہ کی تاریخ، روزہ کی حقیقت، رمضان کی ماہیت، روزہ پر اعتراض کا جواب، یہ تمام امور مفصل بیان ہوئے ہین، ذیل کے صفحات مین بہ ترتیب ہم ان پر روشنی ڈالتے ہین،

روزہ کی تاریخ قران نے گذشتہ آیت مین تصریح کی ہی کہ روزہ اسلام کے ساتھ مخصوص نہین، بلکہ اسلام سے پہلے بھی وہ تمام مذاہب کے مجموعہ احکام کا ایک حصہ رہا ہی، جاہل عرب کا پیغمبر **اُمّی** جو بقول مخالفین، عالم کی تاریخ سے ناواقف تھا، وہ مدعی ہی کہ دنیا کے تمام مذاہب مین روزہ مفروض عبادت رہا ہی، اگر یہ دعوی تمامتر صحت پر مبنی ہی تو اس کے مافوق ذرائع علم اور اعلی ترین انسان ہونے مین کیا شک رہ جاتا ہی؟ اس دعوی کی تصدیق مین یورپ کے محقق ترین ماخذ کا ہم حوالہ دیتے ہین، انسائکلوپیڈیا برٹانیکا کا مضمون نگار روزہ (فاسٹنگ) لکھتا ہی:

"روزون کے اصول وطرق گو باختلاف آب وہوا، قومیت، تہذیب، اور حالات"

"گرد و پیش بہت زیادہ مختلف ہین، لیکن بمشکل کسی ایسے مذہب کا نام ہم لے"

"سکتے ہین جسکے نظام مذہبی مین روزہ مطلقاً تسلیم نہ کیا گیا ہو،"

آگے چل کر لکھتا ہی:

"گو کہ روزہ بحیثیت ایک مذہبی رسم کے تقریباً ہر جگہ موجود ہے"

ہندوستان کو سب سے زیادہ قدامت کا دعوی ہی لیکن برت یعنی روزہ کی بندش سے وہ بھی آزاد نہین، ہر ہندی مہینہ کی گیارہوین تاریخ کو برہمنون پر ایکادشی روزہ ہی، اس حساب سے سال مین چوبیس (۲۴) روزے ہوئے، بعض برہمن، کاتک کے مہینہ مین ہر دوشنبہ کو روزہ رکھتے ہین، ہندو جوگی چلہ کشی کرتے ہین یعنی چالیس دن تک اکل و شرب سے احتراز کرتے ہین، ہندوستان کے تمام مذاہب مین جینی دھرم مین سب سے زیادہ روزہ کے سخت شرائط ہین، چالیس چالیس دن تک کا اُن کے ہان روزہ ہوتا ہی، گجرات و دکن مین ہر سال جینی کئی کئی ہفتہ کا روزہ رکھتے ہین، قدیم مصریون کے ہان بھی روزہ دیگر مذہبی تہوارون کے شمول مین نظر آتا ہی، یونان مین صرف عورتین تھسموفیریا کی تیسری تاریخ کو روزے رکھتی تھین، پارسی مذہب مین عام پیروؤن پر عملاً روزہ فرض نہین، لیکن انکی الہامی کتاب کی ایک آیت سے ثابت ہوتا ہی کہ روزہ کا حکم ان کے ہان موجود تھا، خصوصاً مذہبی پیشواؤن کے لئے تو پنجسالہ روزہ ضروری تھا،[1]

یہودیون مین بھی روزہ فریضۂ الٰہی ہی حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر چالیس دن بھوکے اور پیاسے گذارے (خروج ۳۴-۲۸) یہودی قانون کے رُو سے سال مین روزے کے لئے متعدد دن مخصوص ہین، ساتوین مہینہ کا دسوان دن، عام مفروض روزہ کی تاریخ[2] ہی، اس کے علاوہ اور روزون کے احکام توراۃ کے مختلف صحیفون مین بتصریح مذکور[3] ہی، عیسائی مذہب مین بھی اگر ہم کو روزہ سے دوچار ہونا پڑتا ہی، حضرت عیسیٰؑ نے چالیس دن جنگل مین روزہ رکھا (متی ۴-۲) حضرت یحییٰ جو حضرت عیسیٰ کے گویا استاد تھے وہ بھی روزہ رکھتے تھے اور انکی امت بھی روزہ دار تھی،[4]

---

[1] ان تمام جزون کے لئے دیکھو انسائکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۰ صفحہ ۱۹۳ و ۱۹۴ طبع یازدہم [2] دیکھو توراۃ، سفر الاحبار ۱۶-۲۹، ۲۳ و ۲۳-۲۷ و ۳۲، ۲ سفر العدد ۲۹-۷ و ۱۱، [3] اول سموایل ۷-۶، یرمیاہ ۳۶-۶، [4] مرقس ۲-۱۸،

اسی آیت مین مذکور ہی کہ یہودیون نے اگر حضرت عیسیٰ پر اعتراض کیا کہ تیرے شاگرد روزہ کیون نہین رکھتے، اس سے مقصود یہودیون کے رسمی اور مبتدع روزے ہین حضرت عیسیٰ خود اپنے شاگردون کو خطاب کرکے کہتے ہین،

"پھر جب تم روزہ رکھو، ریاکارون کے مانند اپنا چہرہ اداس نہ بناؤ کیونکہ وہ اپنا منہ بگاڑتے ہین کہ لوگون کے نزدیک روزہ دار ٹھہرین، مین تم سے سچ کہتا ہون کہ وہ اپنا بدلہ پاچکے، پر جب تم روزہ رکھو اپنے سر مین تیل لگاؤ اور منہ دھوؤ، تاکہ تم آدمی پر نہین بلکہ اپنے باپ پر جو پوشیدہ ہی، روزہ دار ظاہر ہو، اور تیرا باپ جو پوشیدگی مین دیکھتا ہی تجھکو آشکارا بدلہ دے" (متی ۶-۱۶)

ایک دوسرے مقام پر شاگرد حضرت عیسیٰ سے پوچھتے ہین کہ ہم پلید روحون کو کس طرح نکال سکتے ہین، آپ اس کے جواب مین فرماتے ہین،

"یہ جنس سوائے دعا، نماز، اور روزہ کے کسی اور طرح سے نہین نکل سکتی"

ان تصریحات سے ثابت ہوگا کہ قرآن کی یہ آیت:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ — مسلمانو! تم پر روزہ اسی طرح لکھا گیا جسطرح تم سے پہلون پر لکھا گیا،

کسقدر تاریخی صداقت پر مبنی ہی،

روزہ کی حقیقت

انسان کی ہر قسم کی روحانی بدبختیون اور ناکامیون کے علل و اسباب کی اگر تحلیل کیجائے تو آخری نتیجہ یہ نکلیگا کہ وہ دنیا مین مختلف ضرورتون کا محتاج ہی، وہ مختلف اغراض کا پابند ہی، اس کے دل کی کوئی جنبش، اور اس کے عضو کی کوئی کوشش ضرورت اور غرض سے خالی نہین، اخلاق جس کا ایک حد تک روحانیت سے تعلق ہی، اگر تحقیق کی جائے تو اس کی بنیاد بھی کسی ضرورت یا غرضِ نفسانی پر مبنی نظر آئیگی، اس لئے اصل مین ہماری ہر قسم کی بدبختیان اور آلودگیان صرف ایک ہی علت کا نتیجہ ہین، **ضرورت**، اور **غرض**! اگر انسان ہر چیز سے بے نیاز ہوجائے تو وہ انسان نہین فرشتہ ہی-

قابل غور امر یہ ہے کہ انسان کی ضرورتون کا اور اس کے مختلف اغراض و مقاصد کا جو ایک وسیع اور غیر متناہی سلسلہ نظر آتا ہے، اُس کی اصل حقیقت کتنی ہے، ہمارے دل مین آرزوون کا ایک مدفن ہے، اُمنگوں کی ایک بھیڑ ہے! خود ساختہ ضرورتون کا ایک انبار ہے، لیکن کیا خوشنما کپڑون، عالیشان عمارتون، لذیذ غذاؤں، تیز رفتار سواریون کے بغیر ہم جی نہین سکتے؟ فرزند و عیال، زر و مال، خدم و حشم سے اگر ہمارے کاشانے خالی ہون تو کیا ہماری زندگی کے کسی لمحہ کو بھی یاس انگیز ساعت کا انتظار ہوگا؟ بادشاہون نے فقیرون کی زندگی بسر کی ہے، اور زندہ رہے ہین، **قارون** دم بھر مین **ابراہیم** ادہم بن گئے اور جیتے رہے؛

خود ساختہ ضرورتون کی نفی و تحلیل کے بعد شاید انسان کی حقیقی ضرورتون کا وسیع دائرہ ایک دو لفظون مین محدود ہو کر رہ جائے، اور وہ "مایۂ قوت و غذا" ہے، جسکے بغیر انسان زندہ نہین رہ سکتا، بقائے روح اور تحفظ جان، سدّ رمق پر موقوف ہے، اور سدّ رمق اکل و شرب کا نتیجہ ہے، اور سچ یہ ہے کہ اس کے بعد کی تمام انسانی ضرورتون کا مولد و منشا یہی قوت و غذا اور اکل و شرب کا سرمایہ ہے، اس بناپر ایک انسان اور ایک فرشتہ مین عالم ملکوت اور عالم ناسوت کے دو باشندون مین اگر فصل و امتیاز کی دیوار قائم کی جائے تو صرف یہی ایک چیز تمام فصول و امتیازات کو محیط ہوگی،

اسی بنا پر دنیا کے تمام مذاہب مین جو زمانہ کے کسی دور مین بھی پیدا ہوئے ہین، مادیات کی کثافتون سے بری اور پاک ہونے کے لئے اکل و شرب سے امتناع سب سے پہلی شرط قرار دی گئی ہے، جس سے اصل مقصود یہ تھا کہ انسان رفتہ رفتہ اپنی ضرورتون کا دائرہ کم کر دے، اور آخر یہ کہ قوت و غذا کی طلب و حرص سے بھی بے نیازی کے لئے متواتر کوشش جاری رکھے کہ انسانون کے تمام گناہ اور جرائم نفسانی صرف اسی ایک قوت کے نتائج مابعد ہین، اگر یہ طلب و ضرورت فنا ہو جائے تو ہم کو دفعۃً عالم ناسوت مین عالم ملکوت کی جھلک نظر آنے لگے، لیکن جب تک انسان

انسان ہے، اس کو غذا سے قطعی بے نیازی ہونی ناممکن ہے، اس بناپر تمام مذاہب نے اس سے اجتناب اور بے نیازی کی ایک مدت محدود کر دی ہے، اس مدت کے اندر انسان کو تمام نفسانی ضروریات جن سے استغنا کسی زمانہ تک ممکن ہے، مجتنب ہو کر تھوڑی دیر کے لئے ملأ اعلیٰ کی مخلوقات مقدسہ مین داخل ہو جانا چاہئے، اور چونکہ ان مخلوقات کا محض خدائے پاک کی اطاعت و عبادت فرض زندگی ہے، اس لئے انسان بھی اتنی دیر تک اپنی زندگی کا حتی الامکان یہی فرض قرار دے،

قران مجید نے ان تمام حقائق و رموز کو صرف ایک لفظ **تقویٰ** سے بے نقاب کر دیا ہے، اور چونکہ روزہ کی یہ حقیقت تمام مذاہب مین مشترک تھی، اس بناپر قران مجید نے دیگر مذاہب کو بھی اشارۃً اس حقیقت مین شریک کر لیا ہے،

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ

مسلمانو تم پر روزہ لکھا گیا جسطرح تم سے پہلی امتون پر لکھا گیا تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ،

لیکن آگے چل کر قران پاک روزۂ اسلام کی دو اور مخصوص حقیقت کو واضح کرتا ہے:

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

تاکہ خدا کی اس عطائے ہدایت پر تم اسکی بڑائی کرو اور شکر ادا کرو،

اس مفہوم کی توضیح کے لئے ہمکو **رمضان** مبارک کی طرف رجوع کرنا پڑیگا،

رمضان اور لیلۃ القدر

یہ مادی عالم جس طرح نظام اور قانون کا پابند ہے، خدائے پاک نے عالم روحانی مین بھی اسی قسم کا ایک اور نظام قانون اور سلسلۂ علل و اسباب قائم کر رکھا ہے، جس یقین کے ساتھ تم یہ دعوی کر سکتے ہو کہ زہر انسان کے لئے قاتل ہے، اسی یقین کے ساتھ طلب روحانی کا واقف کار کہتا ہے کہ گناہ انسان کی روح کو قتل کر دیتا ہے، پیغمبر فیضان نبوت کے قبول کے لئے اپنی روح مین کس طرح استعداد پیدا کرتا ہے، دنیا مین کب مبعوث ہوتا ہے، معجزات کا ظہور اس سے کن اوقات مین ہوتا ہے،

وہ اپنے دعوی کو کس طرح پیش کرتا ہی، انکار و مزاحمت پر وہ کیونکر مہاجرۃ الی اللہ کرتا ہی، پھر کیونکر منکرین دعوت ناکام و خاسر، اور اہل ایمان کامیاب و مفلح ہوتے ہین" ان مین سے ہر ایک درجہ اور مرتبہ منظم قواعد کے مطابق بہ ترتیب ظہور پذیر ہوتا ہی، قران مجید مین جابجا تیرہ مقام پر سُنّۃ اللہ کا جو لفظ آیا ہی، حقیقت مین اس سے زیادہ تر اسی روحانی نظام و ترتیب کی طرف اشارہ ہی،

فلسفۂ تاریخ سیاسی واقعات کی تکرار، اور بار بار کے اعادۂ حوادث سے جسطرح اصولی نتائج تک پہنچکر ایک عام تاریخی قانون بنالیتا ہی بعینہ اسی طرح تاریخ نبوی، اپنے بار بار کے اعادۂ واقعات سے اصولی قانون ہمارے لئے قرار دیتی ہی،

پیغمبر دنیا مین ناسوت و ملکوت کی ایک مجموعی قوت اور متحد وجود ہوتا ہی، وہ اپنے کمال انسانیت کو پہنچکر جب فیضان نبوت کے قبول و استعداد کا انتظار کرتا ہی، تو ایک مدت تک کیلئے عالم انسانی سے بلند ہوکر ملکوتی خصائص مین جلوہ گر ہوتا ہی" اس مقام پر پہنچ کر وہ انسانیت کی تمام ممکن الاحتراز ضروریات سے پاک ہو جاتا ہی، اور پھر اسی ساعت سے اسکے دل و دماغ مین وحی الہی کا سرچشمہ موجین مارنے لگتا ہی، کوہ **سینا** کا پر جلال پیغمبر (حضرت موسیٰ) جب **توراۃ** لینے کو جاتا ہی تو چالیس شبانہ روز بھوکا اور پیاسا رہتا ہی[1]، کوہ **سعیر** کا مقدس آنے والا (حضرت عیسیٰ) اس سے پہلے اس کے منہ مین **انجیل** کی زبان گویا ہو، وہ چالیس روز و شب جنگل مین بھوکا اور پیاسا رہا[2]، **فاران** کا آتشین شریعت والا پیغمبر (انحضرت صلعم) نزول قران سے پہلے حرا کے غار مین ایک ماہ کامل "متحنث" رہتا ہی، اور بالآخر اسی اثنا مین **ناموس اکبر** اِقْرَءْ بِسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ کا مژدۂ جانفزا لیکر نمودار ہوتا ہی[3]،

یہ واقعہ کس ماہ مبارک کا تھا؟

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ | رمضان وہ مہینہ ہی جس مین قران اترا،

[1] خروج ۳۴-۲۸ [2] متی ۴-۲ [3] صحیح بخاری حدیث بدء الوحی،

یہ کس شب اقدس کی داستان ہی؟

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ (دخان) | ہمنے قران کو ایک مبارک شب مین اتارا،

اس مبارک شب کو ہم کس نام سے جانتے ہین؟

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر) | ہم نے قران کو شب قدر مین اتارا،

ان آیات کے استقصار سے یہ بخوبی ثابت ہوگیا کہ **رمضان** وہ مقدس مہینہ ہی جس مین **قران** نے سب سے پہلی بار دنیا مین نزول کیا، اور **پیغمبر امی** علیہ الصلوۃ والسلام کو عالم کی رہنمائی اور انسانون کی دستگیری کے لئے سب سے پہلی بار دستور نامۂ الٰہی کا سب سے پہلا صفحہ عنایت کیا گیا، قران کا حامل اور اس وحی الٰہی کا مہبط آخرین، ان دونون ایک غار کے پردہ مین یکہ و تنہا بھوکا اور پیاسا سر بہ زانو تھا، اس بنا پر اس ماہ مقدس مین بھوکا پیاسا رہنا (روزہ) کسی عبادتگاہ مین یکہ و تنہا رہنا (اعتکاف) شب نزول وحی مین بیدار و سربسجود رہنا (عبادت لیلۃ القدر) تمام پیروان محمدی کے لئے لازم و فرض تھا، اسی لئے اس نے کہا:

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ | اگر تم خدا کو پیار کرتے ہو تو میری پیروی کرو خدا تمہین پیار کریگا

اس تقریر سے واضح ہوتا ہی کہ **روزہ، اعتکاف** اور **لیلۃ القدر** کی حقیقت اسلام مین کیا ہی، اور روزون کے لئے **رمضان** کی تخصیص کس بنا پر ہی!!

ہم نے پہلے بیان کیا تھا کہ حصول تقوی کے علاوہ جو تمام مذاہب کے روزون کی مشترک بنیاد ہی، اسلامی روزون کے دو اور اساس ہین **تکبیر** اور **شکر**، خدائے پاک روزون کی غایت **تقوی** کے علاوہ حسب ذیل بیان فرمائی ہی،

لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ | روزہ اسلئے فرض ہوا تا کہ تم اس عطائے ہدایت پر خدا کی بڑائی کرو اور شکر کرو،

اس بنا پر دیگر مذاہب سے الگ اسلامی روزہ کی یہ بھی غایت ہی کہ اس ماہ اقدس مین بقدر امکان

انھین حالات وجذبات مین تسکیف ہون جس مین وہ حامل قران تسکیف تھا کہ وہ دنیا کی ہدایت یابی اور رہنمائی کی یادگاری تاریخ ہو، یہ جذبات وحالات جنکو مُبلّغ قران کی پیروی مین ہم اپنے اوپر طاری کرتے ہین، یہی اس **محسن اعظم** کی اس عطاے ہدایت پر بڑائی اور شکر گذاری ہی،

روزہ پر اعتراض اور اس کا جواب

علم وفطرت شناسی کے اکثر مدعی، جو عام عبادات وپرستش کی غرض وغایت یہ قرار دیتے ہین کہ وحشی انسان کا تخیل یہ ہی کہ خدا ہماری جسمانی تکلیف اٹھانے سے خوش ہوتا ہے، وہ روزہ کی حقیقت بھی اسی قدر سمجھتے ہین کہ خدا کی طلب خوشنودی کے لیے جسمانی زحمت کشی ہی، ان غلط فہمون کے خیال کے لئے دیگر مذاہب مین لغزشگاہین موجود ہین، اسوقت ہمکو روزہ سے بحث ہی، جوگیون اور جینیون مین روزہ کے متعسر الامکان مدت اسی معنی کی طرف اشارہ کرسکتی ہی، یہودیون کی اصطلاح مین روزہ کے لیے "نفس کو دُکھ دینے" کی اصطلاح جاری ہی، توراۃ مین روزہ کے مفہوم کے لیے اکثر یہی فقرہ مستعمل ہی،

"اور یہ تمہارے لئے قانون دائمی ہوگا کہ ساتوین مہینے کی دسوین تاریخ تم مین سے"

"ہر ایک، خواہ وہ تمہارے دیس کا ہو، خواہ پردیسی جسکی بود وباش تم مین ہی، اپنی جان کو"

"دکھ دے، (احبار ۱۶ - ۲۹)

سفر العدد، آیت ۲۹ - ۷ مین ہی:

"اور اس ساتوین مہینے کی دسوین تاریخ، مقدس جماعت ہوگی، اور تم اپنی جانون کو دکھ دو"

"اور کچھ کام نہ کرو،

یہ اصطلاح توراۃ کے اور مقامات مین بھی مذکور ہی، لیکن قران مجید نے اسکے لئے جو لفظ استعمال کیا ہے وہ **صوم** ہی، صوم کے لغوی معنی، احتراز واجتناب کے ہین، جس سے صاف ظاہر ہی کہ اسلام کا روزہ کس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہی، خدا نے قران پاک مین جہان مسلمانون کو روزہ کا حکم دیا ہے،

وہان یہ الفاظ بھی اضافہ فرما دئے ہین:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

خدا تمہارے ساتھ نرمی چاہتا ہی سختی نہین چاہتا،

قران کا عام قانون ہی:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (بقرہ)

خدا کسی کو اسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہین دیتا

قران نے اپنے مبلغ کی توصیف اِن الفاظ مین کی ہی؛

يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف)

اور وہ اُن کو نیکیون کا حکم دیتا ہی، برائیون سے روکتا ہے اور گندہ چیزون کو حرام کرتا ہے اور اس طوق وزنجیر کو جو اُن کے گلے مین پڑی تھی، ان کو اُن سے علحدہ کرتا ہے،

اسلام نے روزہ کی سختیون کو جس حد تک کم کیا اور اُس مین جو سہولتین پیدا کین، وہ حسب ذیل ہین؛

(۱) سب سے اول یہ ہی کہ اسلام سے پہلے جو الہامی یا غیر الہامی مذاہب تھے، ان مین اکثر روزہ پیروون کی خاص جماعت کے لئے مفروض تھا، مثلاً ہندون مین غیر برہمن کے لئے کوئی روزہ ضروری نہین، پارسیون کے ہان صرف دستور اور پیشوا کے لئے روزہ ہی، یونانیون مین صرف عورتون کیلئے روزہ تھا، لیکن سوال یہ ہی کہ اگر روزہ کوئی چیز ہی تو تمام پیروان مذہب کے لئے برابر طور سے ضروری ہی، اسلام مین پیشوا، غیر پیشوا، عورت، مرد کی کوئی تخصیص نہین، اسلام نے تمام پیروانکو عام حکم دیا، اور اس مین کسی جنس کی کوئی تفریق نہ کی،

فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ

اس مہینہ مین جو زندہ موجود ہو روزہ رکھے،

(۲) اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب مین عموماً شمسی سال معتبر ہی، شمسی سال مین روزہ کی جو تاریخین جن موسمون مین متعین ہونگی، ان مین تغیر وتبدل ناممکن ہی، اس بنا پر اگر وہ گرمی یا سردی کے

موسم مین واقع ہوتے ہین، تو یا وہ ہمیشہ کے لئے تکلیف دہ یا ہمیشہ کے لئے آرام دہ، اسلام کے
روزون کی تاریخین ہر ملک مین ہر موسم مین آتی ہین، اور اس بنا پر اسکی سختی و نرمی ہر عہد مین بدلتی رہتی ہے،

(۳) جہان تک دیگر مذاہب کی الہامی کتابون کے پڑھنے کا موقع ملا ہے، روزہ کی تاکید وحکم کے متعلق کسی حالت انسانی کی تخصیص واستثنا نظر سے نہین گذری، **توراۃ** مین تو یقیناً مذکور نہین، لیکن **قرآن مجید** نے نہایت فطرت شناسی کے ساتھ ہر قسم کے معذور ومجبور لوگونکو اس حکم سے مستثنیٰ کر دیا ہے، بچے مستثنیٰ ہین، عورتین ایام حمل ورضاعت اور دیگر مخصوص ایام مین روزہ سے مستثنیٰ ہین، بڈھے، بیمار، مسافر مستثنیٰ ہین، کمزور اشخاص جو روزہ پر فطرۃً قادر نہین مستثنیٰ ہین:

فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ، (البقرہ)	اگر تم مین کوئی بیمار ہو، یا مسافر وہ رمضان کے بعد اور دنون مین روزہ رکھ لے اور وہ لوگ جو بمشکل روزے رکھسکتے ہون اُن پر ایک مسکین کا کھانا ہے،

ترمذی مین ہے:

عن انس، قال النبی صلعم ان اللہ وضع عن الحامل والمرضع الصوم،	حضرت انس سے مروی ہے کہ خدا نے حاملہ اور دودھ پلانے والی سے روزہ کا بار اُتار لیا،

(۴) اور مذہبون مین روزہ کے شرائط نہایت غیر معتدلانہ تھے یا تو چالیس چالیس روز کا فاقہ تھا یا روزہ کے دنون مین غلہ اور گوشت کے علاوہ پھل تک کھانے کی اجازت تھی، اسلام نے ایک مخصوص مدت کے اندر کھانا، پینا اور حیوانی اغراض سے اعتدال کے ساتھ روکدیا،

(۵) اسلام سے پہلے روزہ کی مدت نہایت غیر معتدلانہ تھی، جینیون کے ہان ایک ایک روزہ ہفتون کا ہوتا تھا، عرب کے عیسائی راہب کئی کئی روز کا روزہ رکھتے تھے، یہودیون کے ہان پورے چوبیس گھنٹے کا روزہ تھا، اسلام نے صرف صبح سے شام تک کا ایک روزہ قرار دیا،

ثم اتموا الصیام الی اللیل (بقرہ)	ہر روزہ کو رات تک پورا کرو،

(۶) یہودیون کے ہان یہ تھا کہ روزہ کھولنے کے وقت ایکدفعہ جو کھا لیتے تھے کھا لیتے تھے، پھر نہین کھاتے تھے، عرب مین رواج تھا کہ سونے سے پہلے جو کھا لیتے کھا لیتے، سو جانے کے بعد کھانا پھر نا جائز تھا، ابتدا اسلام مین بھی یہی قاعدہ تھا، ایکدفعہ رمضان کا زمانہ تھا، ایک صحابی کے گھر مین شام کا کھانا نہین تیار ہوا تھا، انکی بیوی کھانا پکا رہی تھین، وہ انتظار کرتے کرتے سو گئے، کھانا پک چکا تو انکی بیوی کھانا لیکر آئین، وہ سو چکے تھے اس لئے کھانا نہین کھا سکتے تھے، دوسرے روز پھر روزہ کا دن تھا، انکو غش آگیا، اُس پر یہ آیت اُتری،

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ (بقرہ)	اسوقت تک کھاؤ پیو، جب تک رات کا تاریک خط صبح کے سپید خط سے ممتاز نہ ہو جائے،

(۷) ایام جاہلیت مین دستور تھا کہ ایام صیام مین میان بیوی پوری مدت تک علیحدہ رہتے تھے، لیکن چونکہ یہ ممانعت غیر فطری تھی، اکثر لوگ اس مین مجبور ہو کر مرتکب خیانت ہو جاتے تھے، اسلام نے صرف وقت صوم تک یہ ممانعت محدود کردی،

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ اَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ فَالْاٰنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ (بقرہ)	روزہ کی شب مین بیویون سے مقاربت تمہارے لئے حلال کی گئی، وہ تمہاری پوشاک ہین، اور تم انکی، خدا جانتا تھا کہ تم خیانت نفس کرتے تھے، اس نے معاف کیا اب بیویون سے میل جول کرو، اور خدا نے تمہارے مقدر مین جو کچھ رکھا ہے اس کی تلاش کرو،

(۸) بھول چوک، اور خطا ونسیان اسلام مین مغفور ہی، اس بنا پر اگر بھولے سے روزہ دار

کچھ کھالے پی لے یا کوئی اور امر ناقض صوم اس سے سرزد ہو تو اس سے روزہ نہین ٹوٹتا،

عن ابی هریرة: من اکل او شرب ناسیا فلا یفطر فانما هو رزق الله (ترمذی)

ابوہریرہؓ سے مروی ہے، جو بھول کر کھائے یا پیئے، تو اس سے روزہ نہین ٹوٹتا، یہ تو خدا کی روزی تھی،

(۹) اسی طرح وہ افعال جو گو منافی صوم ہین لیکن وہ قصداً سرزد نہین ہوئے بلکہ مجبوراً اس سے صادر ہوئے اس سے بھی نقضِ صوم نہین ہوتا:

قال النبی صلعم: لا یفطر من قاء ولا من احتلم (ابوداود)

پیغمبر خدا نے فرمایا، جسکو قے ہوگئی یا ضرورت غسل ہوئی اس کا روزہ نہین ٹوٹتا،

(۱۰) سر مین تیل ڈالنا، سرمہ لگانا، بدن مین پچھنا اور نشتر لگانا پہلے منافی صوم تھا، اسلام نے یہ سختی کم کردی، اسی لئے آنحضرت صلعم کو ضرورت ہوئی کہ صریح الفاظ مین اُنکے متعلق عام احکام دیدین،

احکام اسلام کی عام آسانیون اور سہولتون کے لئے اس تعلیم الٰہی سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے:-

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْساً اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَسِیْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَا اِصْراً کَمَا حَمَلْتَهُ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ، وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ

خدا کسیکو اُسکی وسعت سے زیادہ کسی بات کی تکلیف نہین دیتا، انسان کا نتیجہ عمل خیر ہو یا شر اُسکے نفع و نقصان کیلئے ہے، خداوندا! اگر ہم سے بھول چوک ہو تو ہمسے پرسش کرنا، خداوندا ان بندشونکا بوجھ ہمپر نہ ڈالنا، جو ہمسے پہلون پر تو ڈال چکا، خداوندا! جسکی طاقت ہم مین نہو وہ بوجھ ہمپر نہ ڈالنا، ہمسے درگذر کر، ہمارے گناہ معاف کر، ہمپر رحم فرما، تو ہی ہمارا آقا ہے! اور انہو منکرون پر ہمین فتح عطا کر

عمارات الاسلام

حریم قدس

یعنی

مسجد نبوی

(۱)

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ، فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ۝

یقیناً وہ مسجد جسکی بنیاد اول ہی روز سے تقوی پر پڑی زیادہ مستحق ہے اے پیغمبر کہ اس مین تم نماز پڑھو، اس مین وہ لوگ ہیں جو طہارت پسند ہین اور خدا پاک لوگون کو پیار کرتا ہے،

یا رسول الله ای المسجدین الذین اسس علی التقوی فاخذ کفا من حصباء فضرب به الارض ثم قال هو مسجدکم هذا المسجد المدینة (مسلم)

یا رسول اللہ مسجد قبا اور مسجد مدینہ مین سے کون وہ مسجد ہے جس کی بنیاد تقوے پر ہے، آپ نے مٹھی مین کنکر لیکر زمین پر مارا اور فرمایا کہ وہ تمھاری یہی مسجد مدینہ کی مسجد ہے،

ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انما یسافر الی ثلاثة مساجد مسجد الکعبة ومسجدی ومسجد ایلیاء (مسلم)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان تین مسجدون کیطرف سفر کرنا چاہیے، مسجد کعبہ، میری مسجد اور مسجد ایلیاء (بیت المقدس)

قال صلاة فی مسجدی هذا افضل من الف صلاة فیما سواه الا المسجد الحرام (مسلم)

آپ نے فرمایا ہے کہ میری مسجد مین ایک بار نماز پڑھنے کا ثواب بجز مسجد حرام کے دوسری مسجدون مین ہزار بار نماز پڑھنے سے زیادہ ہے

تمدن و تہذیب کے سیکڑون اجزا و عناصر ہین لیکن ان مین سب سے زیادہ نمایان

وہ عمارتیں ہیں، جنکے سر بفلک کنگرے تمدن کے سرکا تاج ما فسر ہیں،

ہر قوم کی تمدنی تاریخ کتابون کے بطون واوراق مین محفوظ ہے۔ لیکن تمدنی روایات کا سب سے زیادہ صادق البیان راوی انہی بوسیدہ عمارتون کی خاموش زبان ہے۔ ڈاکٹر **لیبان** جو تمدنی تاریخ کا عالم خصوصی ہے، اپنی کتاب **تمدن الامم** مین لکھتا ہے:-

"یہ پتھر کی کتابین (یعنی عمارتین) تمام دنیا کی کتابون سے زیادہ صاف، واضح، اور آسان ہین اور انکی زبان کبھی دروغ بیانی سے آلودہ نہین ہوتی"

اسلیے ہم چاہتے ہین کہ معارف مین **عمارات الاسلام** کا ایک مستقل باب قائم کرین جسکے سلسلہ مین اسلامی عمارات پر محققانہ مضامین شائع ہوتے رہین،

اسلام مین تمدن وتہذیب کا سنگ بنیاد مذہب نے رکھا اسلیے نہ صرف تبرکاً و تیمناً بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی اسکی ابتد **مسجد نبوی** سے کرتے ہین"

دنیانے مادیت اور روحانیت کے بہت سے مناظر دیکھے ہین، اس نے آفتاب وماہتاب کی جلوہ گری کا نظارہ کیا ہے، قوس وقزح کی بوقلمونیان دیکھی ہین، لب جو کے طراوت خیز سبزہ زار کی تماشائی ہوئی ہے، باد صبا نے اسکے سامنے اٹکھیلیان کی ہین، پھولون نے اسکے آگے مسکرا کر زخم بلبل پر نمک چھڑکا ہے، غنچہ ناشگفتہ نے اسکے زانو پر سر رکھکر نیند کی متوالی رات بسر کی ہے، فرشتون نے اسکے سامنے آدم کے آگے سر جھکایا ہے، اعجاز عیسٰی نے اسکے قالب بیجان مین روح پھونکی ہے، عصاے موسٰی نے اسکے سامنے پھنکارین ماری ہین، بیت المقدس کا منارہ اسی نے بلند کیا ہے، بیت الحرام کی دیوارون پر اسی نے ردا چڑھایا ہے، اور اسکے ایک ایک گوشہ سے توحید الٰہی کی غلغلہ انداز صدا اسکی فضا مین گونجی ہے، لیکن یہ سب کچھ کیا تھا؟ ایک عبرت انگیز تماشا تھا جو چشم زدن مین فنا ہو گیا، آفتاب کے نور کو دامن شب نے چھپا لیا، قوس وقزح آفتاب ہی کا پرتو تھی ساتھ ساتھ سایہ کیطرح فنا ہو گئی، سبزہ خوابیدہ کو دست

خزان کی تھپکیون نے موت کی نیند سلا دیا، باد صرصر کے جھونکون سے مرجھا کر گل خندان دامن گلزار کا بدنما داغ بنگئے، غنچون نے آنکھ کھولی تو گلچین کے دست بیداد مین نظر آئے، آدم شجر خزان رسیدہ کی طرح عریان ہو گئے، اعجاز عیسٰی کی زبان چندہی دنون کے بعد گنگ ہو گئی، عصاے موسٰی پھر اپنی سیرۃ اولی کیطرف لوٹ آیا، بیت المقدس کے کنگرے شرک کا نشیمن بنگئے، اور بیت الحرام کی دیوارون پر بتون کی نمائش کی گئی، جنکی بیزبانی نے توحید الٰہی کے راگ کو دفعتہ" خاموش کر دیا لیکن دنیانے مدینہ کی پتھریلی زمین مین ان سب سے الگ ایک ادر آشیانۂ قدس کی زیارت کی ہی جسکے انقلابات اسکو ان تمام مناظر سے بالکل مختلف نظر آئے، وہ زندہ ہوا تو پھر کبھی نہ مرا، وہ تعمیر ہوا تو پھر کبھی نہ اُجڑا، اور اس مین مرغان حرم نے توحید کی نغمہ سرائی کی تو انکی زبان کبھی خاموش نہ ہوئی، اسی آشیانۂ قدس کا مبارک نام مسجد نبوی ہی، جسکی خاک پاک کو دنیا ہر سال سرمۂ چشم بناتی ہی، لیکن پھر بھی تسکین نہین ہوتی اسلئے ہم دنیا کو دوبارہ اسکی روحانی زیارت کرانا چاہتے ہین لیعم ما قبل هو المسک ما کرر

عہد نبوت

تاریخی حیثیت سے اسلام پرجوش، خلوص اور اعتقاد وعمل کے مختلف دور گذر چکے ہین، جنکا مجموعی نظارہ صرف مسجد نبوی کے طاق ومحراب مین کیا جا سکتا ہی،

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کیطرف ہجرت کی تو وہان پہنچ کر سب سے پہلے اسوۂ ابراہیمی کو دوبارہ زندہ کیا، یعنی جسطرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بے خانمان ہو کر اپنے گھر سے پہلے خدا کا گھر آباد کیا تھا، اسی طرح مدینہ پہنچکر اول اول آپ نے مسجد قبا کو تعمیر فرمایا[۱]، قبا کی تعمیر وتشئید سے فارغ ہو کر اب آپ نے مدینہ کی اصلی آبادی کیطرف رخ کیا، مدینہ منورہ مین ایک قطعہ زمین تھا جس کے مالک دو یتیم بچے تھے، یہ مقام پہلے ہی سے توحید کی آواز سے آشنا ہو چکا تھا اور خدا کے تنگ بندے گردنین اسکے سامنے جھک چکی تھین، بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم مین ہی،

وهو یصلی فیه یومئذ رجال من المسلمین

اسوقت اس مین چند مسلمان نماز پڑھا کرتے تھے،

---

[۱] بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم،

خلاصۃ الوفاء مین ہی کہ اسعد بن ضرارہ نے اس جگہ ایک مسجد تعمیر کی تھی، اور اس مین جمعہ پڑہا کرتے تھے،

آپ کے ناقہ نے بھی اس جگہ گردن جھکا دی اور اس مقدس مقام پر پہنچ کر بیٹھ گیا آپ نے فرمایا کہ اگر خدا نے چاہا تو یہی مقام ہماری منزلگاہ ہوگا" چنانچہ ان دونون یتیمون کو طلب فرمایا اور اسکی قیمت چکانا چاہی لیکن انکے فیاضانہ خلوص وجوش ایمان نے جواب دیا

بل نھبہ لک یارسول اللہ	ہم اسکو آپ پر ہبہ کرتے ہین یارسول اللہ،

لیکن یتیم بچے بیع وشرا کی اہلیت نہین رکہتے تھے، اسلیئے یہ خود انکے اولیا، کی بلکہ کل انصار کی متفقہ آواز کی ترجمانی تھی" بخاری باب ہجرۃ النبی مین صاف تصریح ہی،

فقالوالاواللہ لانطلب ثمنہ الا الی اللہ	قبیلہ بنو نجار کے لوگون نے کہا خدا کی قسم ہرگز نہین اسکی قیمت ہم صرف خدا سے لینگے

لیکن آپکی غیرت وشفقت نے یتیمون کے مال کو بلاقیمت لینا گوارا نہین کیا، اسلیئے آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رض سے جن کا مال خدا کی راہ مین وقف تھا اور ہجرت کے وقت انھون نے اپنا کل سرمایہ جسکی تعداد پانچ چھ ہزار تھی اسی غرض سے ساتھ لیلیا تھا[1] دس اشرفی قیمت دلوائی[2] بعض روایتون مین ہی کہ متعدد صحابہ نے انکو معاوضہ دیا جسکی وجہ صرف یہ ہوسکتی ہی کہ سب نے کچھ نہ کچھ اس کار خیر مین حصہ لینا موجب ثواب سمجھا ہوگا[3]،

بہرحال جب یہ قطعہ زمین خدا کے ہات مین آگیا تو آپ نے تعمیر مسجد کیطرف توجہ مبذول فرمائی زمین مین جا بجا ناہمواریان تھین، کچھ حصہ ویران تھا، بعض گوشون مین مشرکین کی پرانی قبرین تھین کہین کہین کھجور کے درخت تھے، قبرین اکھیڑ ڈالی گئین، ویران حصے کے نشیب وفراز ہموار کیے گئے درخت کاٹ کر قبلہ رخ ترتیب کے ساتھ قائم کردیے گئے[4]، اور اب صحابہ کرام کا جوش عمل غلغلہ انداز عالم ہوا، تمام صحابہ ایک ایک اینٹ اٹھا کر لاتے تھے، لیکن حضرت عمار بن یاسر رض دو دو اینٹین، آپنے

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۵۰، [2] زرقانی جلد ۱ صفحہ ۳۶۹، [3] اخبار المصطفےٰ ذکر تعمیر مسجد نبوی، [4] بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم،

انکے جوش عمل کو دیکھا تو فرط محبت سے فرمایا،	
ویح عمار تقتلہ الفئۃ الباغیۃ	افسوس عمار کہ اسکو ایک باغی گروہ قتل کریگا،

خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تعمیر مین شریک تھے، خود اینٹ اٹھا اٹھا کر لاتے تھے اور پرجوش آواز مین یہ رجز پڑہتے جاتے تھے،

هذا الحمال لا حمال خيبر	یہ بوجھ خیبر کے کھجورون کی گھٹا نہین ہے
هذا ابر ربنا واطهر	اس کو ہمارے خدا نے پاک وصاف کیا ہے
اللهم ان الاجر اجر الاخرة	خداوندا ثواب صرف آخرت کا ثواب ہے
فارحم الانصار والمهاجرة[1]	انصار اور مہاجرین پر رحم فرما،

صحابہ کرام بھی اس مقدس آواز کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی زبان پر یہ رجز تھا،

أفلح من يعالج المساجدا	وہ کامیاب ہی جو مسجد کو تعمیر کرتا ہے
ويقرأ القرآن قائما وقاعدا	اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا جاتا ہے،
ولا يبيت الليل عنه راقدا[2]	اور اسکو چھوڑکر رات کو نہین سوتا

مسجد بنکر طیار ہوئی تو اسلام کی سادگی کا بہترین نمونہ تھی لکڑی کے ستون تھے، کھجور کے شاخون کی چھت اور پتھر چوکھٹ تھی، بخاری باب ہجرۃ النبی مین ہی،

وجعلوا عضادتيه حجارة	اور صحابہ نے اسکی چوکھٹ پتھر کی بنائی،

چھت نہایت پست تھی، ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ مین ہے،

كان مسجدهم ضيقا مقارب السقف انما هو عريش[3]	انکی مسجد نہایت تنگ تھی، چھت نہایت پست تھی یعنی صرف ایک چپر،

صحن بالکل خام تھا یعنی پختہ نہ تھی، طول ستر گز، اور عرض ساٹھ گز تھا، تین دروازے تھے

[1] بخاری باب ہجرۃ النبی صلعم، [2] وفاء الوفا بحوالہ ابن شیبہ، [3] ابوداود کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المساجد،

لیکن ان مین کواڑ نہ تھے، چنانچہ بعض روایتون مین ہی کہ راتون کو مسجد نبوی مین کتے پھرا کرتے تھے، ان مین دو یعنی باب رحمۃ اور باب جبرئیل تحویل قبلہ کے بعد بھی قائم رہے، اور ایک دروازہ جو قبلہ کے رخ تھا بند کردیا گیا، لیکن جب اسلام کا دائرہ وسیع ہوا تو توسیع مسجد کی ضرورت محسوس ہوئی، اسلئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس مین اضافہ کرنا چاہا، مسجد کے متصل ایک انصاری کی زمین تھی، آپ نے ان سے خدا کی راہ مین لینا چاہا، انہون نے انکار کیا تو حضرت عثمان رض نے بیس یا پچیس ہزار درہم پر خرید کر اسکو وقف مسجد کردیا۔[1]

صفائی کا انتظام

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مساجد کی تطہیر و تنظیف کا نہایت خیال رکھتے تھے، حضرت جابر رض کا بیان ہی کہ آپ ایک روز ہماری مسجد مین تشریف لائے دیکھا کہ کسی نے قبلہ کے پاس تھوک دیا ہی، دست مبارک مین کھجور کی ایک شاخ تھی اس سے تھوک کو رگڑ دیا پھر عبیر منگوایا اسکو کھجور کی شاخ کی نوک پر لگا کر تھوک کی جگہ رگڑا، حضرت جابر رض کا بیان ہی کہ یہ پہلا دن ہی جس مین تخلیق مساجد کی ابتدا ہوئی،[2]

صحابہ کرام کو بھی مساجد کی صفائی و نظافت کا عام حکم دیا تھا، ابوداؤد مین ہی،

عن عائشۃ قالت امر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ببناء المساجد فی الدور وان تنظف و تطیب[3]	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے گھرون مین مساجد بنانے اور انکے پاک و صاف رکھنے کا حکم دیا،

اس لئے صحابہ کرام بھی مسجد کی صفائی مین اہتمام بلیغ فرماتے تھے، ایک بار آپ نے مسجد کے قبلہ کے پاس تھوک دیکھا، اسقدر برہم ہوئے کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا، ایک صحابیہ اٹھین اسکو مٹا دیا اور اس جگہ خوشبو لگائی، آپ نہایت خوش ہوئے اور فرمایا کہ خوب کام کیا،[4]

[1] نسائی کتاب الاحباس باب وقف المساجد، [2] صحیح مسلم باب حدیث جابر الطویل، [3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب اتخاذ المساجد فی الدور، [4] نسائی کتاب الصلوۃ باب تخلیق المسجد،

آپ نے اپنے عہد مبارک مین اگرچہ مسجد کی صفائی کے لئے کوئی مستقل ملازم نہین رکھا تاہم صحابہ کرام کی طہارت پسندی، شوق عمل، اور خدمات مذہبی کی شیفتگی نے اس ضرورت کو بکمل وجوہ پورا کردیا، آپ نے فرمایا تھا

عرضت علی اجور امتی حتی القذاۃ یخرجھا الرجل من المسجد،[1]	میرے سامنے میری امت کا تمام ثواب پیش کیا گیا یہانتک کہ اس تنکے کا بھی جسکو آدمی مسجد سے نکال کر پھینک دیتا ہی،

ایک صحابیہ نے شوق حصول ثواب مین اپنی زندگی ہی اس پاک کام پر وقف کردی، وہ مسجد مین رہتی تھین، اور روزانہ جھاڑو دیتی تھین، رسول اللہ صلعم بھی انکے اس خدمت کی نہایت قدر فرماتے تھے، چنانچہ جب انکا انتقال ہوگیا تو صحابہ کرام نے راتون رات انکو دفن کردیا، اور آپکو اطلاع نہ دی، آپ کو بعد مین معلوم ہوا تو فرمایا مجھے کیون نہ خبر کی، بولے کہ حضور کی استراحت مین خلل آتا لیکن آپ خود انکی قبر پر آئے اور نماز جنازہ ادا فرمائی،[2]

روشنی کا انتظام

اگرچہ خود رسول اللہ صلعم کے گھر مین فقر و افلاس کی وجہ سے چراغ نہین جلتا تھا تاہم خدا کے گھر مین کیونکر اندھیرا رہ سکتا تھا؟ صحابہ کرام کھجور کی شاخون کی مشعل بنا کر لاتے تھے اور مسجد مین روشنی کرتے تھے، مدت تک یہ حالت رہی، اس کے بعد حضرت تمیم رض کا ایک تجارت پیشہ غلام جس کا نام فتح تھا زیتون کا تیل اور قندیل لایا اور مسجد مین روشنی کی، آپ نے دیکھا تو فرمایا کس نے روشنی کی ہی؟ غلام کا نام معلوم ہوا تو اس کا نام بدل کر سراج رکھدیا جسکے معنی چراغ جلانے والے کے ہین،[3]

عبدالسلام ندوی

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب کنس المسجد، [2] ابوداؤد وابن ماجہ کتاب الجنائز باب الصلوۃ علی القبر، [3] اسد الغابہ تذکرہ سراج

رسم خط کی اجمالی تاریخ

نوع[1] انسان کی حیرت زا عقل اور قوت اختراع نے اب تک جو نمونے پیش کئے ہین ان مین سب سے زیادہ مفید اور سب سے زیادہ نتیجہ خیز رسم خط یا طریق کتابت کی ایجاد و تکوین ہے، اگر کتابت کا طریقہ ہمکو معلوم نہ ہوتا تو آج علوم و فنون کے زر و جواہر ہمارا کیسہ فضل و کمال نہی ہوتا اور ہم اسلاف کے بیش بہا تجارب سے محروم ہوتے، یہ اسی ایجاد کی برکت ہے کہ مصر و یونان کے علوم و معارف، مسلمانون کے علمی کارنامے اور دوسری اقوام کی دماغی ترقیون کے گران بہا نتائج صفحۂ ہستی پر محفوظ ہین اور ہم آسانی کے ساتھ اُن سے متمتع ہو سکتے ہین،

اگر طریقہ کتابت موجود نہ ہوتا تو صحف آسمانی ایک طرف، ارسطو اور افلاطون کو کون جانتا؟ ہند و یونان کا فلسفہ کہان دستیاب ہوتا؟ اور موجودہ زمانہ مین یورپ و امریکہ کی حیرت انگیز علمی و عملی کارنامون سے واقفیت کی کیا صورت تھی؟ اسلئے درحقیقت رسم خط ہماری تمام ترقیون کی بنیاد، ہمارے گران مایہ تجارب کا محافظ اور ہمارے خیالات و محسوسات کا نہایت روشن آئینہ ہے،

رسم خط کی ایجاد و تکوین، نشو و نما، گوناگون انقلابات اور اُسکی حیرت انگیز عالمگیری کی داستان تاریخ عالم کا ایک نہایت دلچسپ صفحہ ہے ہم ذیل مین اسکے ارتقائی تغیرّ و تبدّل اور تدریجی ترقی کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرتے ہین جس سے اندازہ ہوگا کہ رسم خط نے کتنے عظیم الشان تغیرات کے بعد موجودہ قالب اختیار کیا ہے،

[1] ماخوذ از العرفان، جلد ۵ نمبر ۲

رسم خط کی ایجاد انسان فطرۃً نہایت فخار اور شہرت پسند واقع ہوا ہے، وہ ہر وقت اسی کوشش مین رہتا ہے کہ کارہاے نمایان سے اپنے ابناے جنس پر تفوّق حاصل کرے اور اپنے کارنامون کی یادگار قائم کرکے شہرت عام اور بقاے دوام حاصل کرے، درحقیقت یہی وہ وصف ہے جو انسان کی قوت اختراع و ایجاد کو ہمیشہ ہیجان مین رکھتا ہے، عہد اول کا انسان بھی اس تخیل سے خالی نہ تھا، اس نے اپنی یاد تازہ رکھنے کے لئے کچھ اصطلاحات وضع کئے اور اپنے کارنامون کی فہرست پتھرون پر نقش کرکے چھوڑ گیا تاکہ مرنے کے بعد بھی اُسکی شہرت قائم رہے، چنانچہ قدیم زمانہ کے مرموز و منقوش کتبے ان لوگون کی شہرت پسندی کے نہایت روشن علائم و آثار ہین اور درحقیقت انھین کو ایجاد خط کا سنگِ اساس سمجھنا چاہیے۔

خط صوری ابتداءً انسان نے واقعات و محسوسات کے اظہار کے لئے مصوری کا طریقہ اختیار کیا، کیونکہ کسی واقعہ کو ذہن نشین کرنے کے لئے سب سے پہلی تدبیر اُسکی تصویر ہو سکتی ہے فرض کرو ہمین بتانا ہے کہ ایک بادشاہ نے شیر مارا تو اسکو بیان کرنے کا سب سے پہلا اور فطری طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ نفسِ واقعہ کی تصویر کھینچ دیجاے یعنی ایک شخص کی تصویر بنائی جائے جسکے سر پر تاج اور ہاتھ مین تلوار ہو اور اُسکے مقابلہ مین ایک شیر کو دکھایا جاے کہ تلوار اُسکے جسم مین چبھی ہوئی ہے یا ہمکو لکھنا ہے کہ ایک شخص نے پانی پیا تو اسکی پہلی تدبیر یہ ہے کہ ایک آدمی کی تصویر بنائی جاے جسکے ہاتھ مین پانی کا گلاس ہو اور وہ اپنے مُنہ سے لگائے ہوئے ہو،

غرض ہمارے ذہن مین سب سے پہلے واقعہ کی تصویر آتی ہے اسلئے اسکے اظہار کی سب سے پہلی تدبیر بھی یہی ہو سکتی ہے، لیکن اس سے یہ قیاس نکرنا چاہیئے کہ اُس زمانہ مین فن مصوری نے اسقدر ترقی کرلی تھی کہ آسانی کے ساتھ ہر واقعہ کی تصویر کھینچ دیجاتی تھی

بلکہ ہوتا یہ تھا کہ صرف کچھ خطوط کھینچ دیئے جاتے تھے جو واقعات و محسوسات کی اصل تصویر سے کسیقدر مشابہ شکل پیدا کرتے تھے، رفتہ رفتہ تصویر کشی سنے ترقی کی تو اُسکے ساتھ ہی طریقۂ تعبیر مین بھی تغیر ہوا اور اب بجائے مکمل تصویر کھینچنے کے صرف لفظ کے پہلے جزر کی ایک مخصوص شکل بنادینا افہام و تفہیم کے لئے کافی ہونے لگا، علماء آثار کی اصطلاح مین اس خط کا نام خطِ مرموز ہے،

خطِ مرموز اس خط کی ایجاد سے اسقدر فائدہ ضرور ہوا کہ حروف کی تعداد محدود ہوگئی مثلاً خطِ مسماری (کینیوفارم) جو اکادی قوم مین رائج تھا وہ نہایت ہی ابتدائی حالت مین تھا لیکن جب اشوریون نے اسکو اپنی اشوری سامی زبان کے لئے استعمال کیا تو اس مین کچھ اصلاح کردی اور اب اگر یہ کہنا ہو کہ ایک آدمی نے پانی پیا تو صرف آدمی کے منہ کی ایک مجوف و مستطیل شکل بنا کر اس مین ایک عمودی خط کھینچنا اور پانی کے لئے ایک دائرہ بنا کر اس مین چند نقطے بنادینا اظہار مقصد کے لئے کافی تھا، اسی طرح انکے یہان مہینہ کی علامت یہ تھی کہ ایک دائرہ مین تین زاویہ منفرجہ بنادیتے تھے، چونکہ دائرہ سے آفتاب مراد تھا اور زاویہ منفرجہ دس کی علامت تھی اسلئے یہ مجموعی ہیئت تیس دن کا اظہار کرتی تھی،

خط صوری کے اقسام مصوّر خطوط یعنی خط صوری کی اس وقت تک بہت سی شاخین دریافت ہوئی ہین علماء آثار نے کوشش کرکے بعض خطوط حل بھی کر لئے ہین اور اب وہ مصری ہیروگلیفک، کینیوفارم (مسماری) اور چینی نہایت آسانی کے ساتھ پڑھ لیتے ہین لیکن بعض خطوط ایسے ہین کہ اسوقت تک حل نہین ہوے مثلاً حتی، قدیم میکسیکی اور قدیم کیپیڈین خطوط ہنوز عقدۂ لاینحل ہین،

مصری ہیروگلیفک خط کی تین قسمین ہین پہلی اور سب سے قدیم قسم محض صوری ہے یعنی کتابت کا طریقہ صرف تصویر کشی پر منحصر تھا اور اسکا استعمال زیادہ تر سنگی کتبون اور عمارتون پر ہوتا تھا اسکا نام ہیروگلیفی (ہیروگلیفک) ہے، دوسری قسم وہ تھی جو خطون اور دستاویزون کے لئے مخصوص تھی یہ ہیروگلیفی سے مختصر اور ہیراتی (ہیروٹک) کے نام سے موسوم ہے اس مین مجازی تصویرون اور الفاظ کے مفروضہ علامات سے کام لیا جاتا تھا، مجازی تصاویر کی اُس موقع مین ضرورت پیش آتی تھی جبکہ مصوّر یا کاتب کے سامنے اُس خیال کے لئے خارج مین کوئی مادی اور محسوس شکل موجود نہین ہوتی تھی مثلاً شر یا برائی کی کوئی مادی صورت خارج مین نہین ہوتی اسلئے اسکے اظہار کا یہ طریقہ تھا کہ ایک شخص کی تصویر بنادی جاتی تھی جو خودکشی کر رہا ہو کیونکہ برائی کی قبیح ترین صورت خودکشی ہے، الفاظ کے مفروضہ علامات سے یہ مقصد ہے کہ ہر لفظ کے لئے ایک مخصوص علامت وضع کردی گئی تھی اور جب اُس لفظ کو لکھنا ہوتا تھا تو وہ علامت بنادی جاتی تھی،

تیسری قسم کا نام مصری عامی یا ڈیموٹیک ہے یہ ہیراتی (ہیروٹک) سے سہل اور مختصر تھی بلکہ اسکو خطِ ہجائی تک پہنچنے کے لئے آخری کڑی سمجھنا چاہیئے، پاپیرس کے صحیفون اور مصری آثار مین اب تک اسکے بہت سے نمونے موجود ہین،

رسم خط کی تدریجی ترقی خطِ مسماری (کینیوفارم) بھی پہلے صوری تھا، اکادی قوم نے اُس مین کچھ اصلاح کی پھر وہان سے ایران پہنچا تو اسکو زیادہ مختصر اور آسان بنایا گیا، اسی طرح جب مصری ہیروگلیفک کو فنیقی (فینیشین) قوم نے سیکھا تو اصلاح و تہذیب کے بعد اُسکو نئے رنگ روپ مین جلوہ گر کیا تاہم حروف کے

تنوّع اور کثرت کے باعث کتابت کا طریقہ عام نہ ہو سکا یہان تک کہ قانون ارتقا
نے تدریجی ترقی کے ساتھ رسم خط کو خط ہجائی کی سرحد تک پہنچا دیا یعنی گفتگو کے
وقت انسان کی زبان سے جو مختلف آوازین پیدا ہوتی ہین اُنکی تحلیل کرنے کے
بعد ہر مفرد آواز کے مقابلہ مین ایک علامت وضع کی گئی، اس ترقی سے سب سے بڑا فائدہ
یہ ہوا کہ صدہا اور ہزارہا حروف کے بجاے انکی تعداد کم سے کم بیس۲ اور زیادہ سے زیادہ تیس۳
تک محدود ہو گئی چنانچہ عربی رسم خط اٹھائیس حروف پر مشتمل ہے اور فینیقی (فینیشین) زبان
مین تو صرف بائیس ہی حروف سے کام چلتا تھا،

حروف تہجی کا موجد یہ مسئلہ نہایت مختلف فیہ ہے کہ حروف تہجی کا سب سے پہلا موجد
کون تھا؟ بعض علماے عرب نے عجیب وغریب خیالات ظاہر کیے ہین، ایک مصنف
کی راے ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کتابت کا طریقہ سکھا دیا تھا
بعض اسکو حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہین لیکن یہ تمام
بیانات شائبہ تحقیق سے خالی ہین اور کوئی حقیقی وقطعی ثبوت موجود نہین ہے،

جدید محققین مین بھی اتفاق نہین ہے بعض اہل شام کی طرف منسوب کرتے ہین، بعض
مصریون کے سر سہرا باندھتے ہین، اور بعض اہل ہند کے تاج فخر پر یہ طرۂ شرف دیکھتے ہین
لیکن جمہور کی راے فینیقیون کی طرف مائل ہے جو اپنے زمانہ کی نہایت اولو العزم اور
متمدن قوم تھی اور مشہور فینیشین مورخ سانخیاتون بیروتی اور رومن مورخ بلینوس کی
تصریحات کو شہادت مین پیش کرتے ہین، لیکن ہمارا خیال ہے کہ حروف تہجی یا خط ہجائی
کی ایجاد وتکوین کو کسی ایک شخص یا ایک قوم کی طرف منسوب کرنا شدید ترین غلطی ہے بلکہ
جسطرح اقوام کے باہمی اختلاط وارتباط سے زبان بنتی بگڑتی ہی اسی طرح رسم خط بھی متاثر

ہوتا ہے چنانچہ علماے آثار کا بیان ہے کہ فینیقی (فینیشین) رسم خط اور مصری ہیروٹنک اور
ڈیموٹنک خطوط مین پندرہ حروف ایک ہی طرح کے ہین بقیہ حروف یکسان تو نہین ہین
لیکن ایک حد تک مشابہ ضرور ہین البتہ صرف ایک حرف ایسا ہے جو بالکل جداگانہ ہے
اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فینیقی قوم نے مصریون سے اختلاط وارتباط پیدا کرکے ہیرٹنک
اور ڈیموٹنک خطوط کی خوشہ چینی کی اور اپنی ضروریات کے لحاظ سے کچھ تغیر وتبدل کیا پھر رفتہ رفتہ
امتداد زمانہ اور گرد وپیش کے موثرات نے اسکو خط ہجائی کی صورت مین بدل دیا،

حروف تہجی کی مقبولیت عامہ فینیقی (فینیشین) رسم خط نے جب خط ہجائی کی معراج حاصل کی
تو سہل اور آسان ہونے کے باعث قدرتۃً اسکو مقبولیت عام حاصل ہو گئی مشہور یونانی
مورخ ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ جو فینیقی علمار قدمس کے ساتھ سرزمین یونان مین داخل
ہوئے اُنھون نے دوسرے علوم وفنون کے ساتھ فن کتابت کو بھی یونان مین رواج دیا
تھا پھر یونان سے تمام یورپ مین پھیلا، اسی طرح اہل عرب نے جنکا تمدن خطۂ یمن مین
اوج کمال پر پہنچا ہوا تھا فینیقی (فینیشین) قوم کے قریب ہونے کے باعث نہایت شوق
کے ساتھ اسکو سیکھا، چنانچہ فینیقی اور حمیری خط مین بہت کچھ مشابہت ہے بلکہ بعض
حروف تو دونون مین بالکل یکسان ہین مثلاً ج، ط، ن، ص اور ق مین بالکل
فرق نہین ہے البتہ حرف "ب" مین بہت کم مشابہت ہے،

فینشین قوم اپنے زمانہ مین نہایت اُلوالعزم، صاحب حوصلہ اور متمدن تھی
اسکی تجارت کا سلسلہ تمام دنیا مین پھیلا ہوا تھا، اُسکے جہاز ران ایک طرف تو یورپ
وافریقہ کے سمندرون مین گشت لگاتے تھے اور دوسری طرف بحر ہند، بحر احمر اور
مشرق اقصی کا سفر کرتے تھے، چنانچہ جو تجار بحر ہند پہنچے وہ طریق کتابت کا مرغوب اور مفید

تحفہ بھی اپنے ساتھ لائے اور تمام جزائر اور ہندوستان کے ساحلی مقامات مین اسکو
رائج کیا پھر وہان سے تمام ملک مین اشاعت ہوئی اور رفتہ رفتہ اس نے اپنی ہیئت بدلکر
موجودہ سنسکرت رسم خط کی صورت اختیار کرلی، اسی طرح خلیج فارس کی راہ سے ایران
پہنچا چنانچہ وہان جسقدر قدیم کتبے برآمد ہوئے ہیں وہ سب فینشین رسم خط سے مشابہ ہین
غرض فینقی رسم خط کو اسقدر قبول عام ہوا کہ تقریباً تمام دنیا کی ترقی یافتہ قومون نے
اسکو سیکھکر اپنے ملک مین رائج کیا چنانچہ سامری، عبرانی، مشرقی عبرانی، کلدانی اور
ہندی سنسکرت خطوط دراصل فینقی (فینشین) رسم خط کی شاخین ہین،

اختلاف السنہ کا اثر رسم خط پر

تمام دنیا کے رسوم خط اور حروف تہجی کا اختلاف درحقیقت اختلاف السنہ
پر مبنی ہے کیونکہ غور و فکر کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ تمام زبانون کے حروف
تقریباً متحد الاصل ہین مثلاً عربی مین ہے "الف" "باء" "جیم" "دال" عبرانی اور
سامری مین ہے "الف" "بیتھ" "جیمل" "دالتھ" اسی طرح سریانی
مین ہے "الاف" "بیتھ" "جیمل" "دالتھ" حبشی مین ہے "الف"
"بیت" "جمل" "دن" یونانی مین ہے "الفا" "بیٹا" "گما"
"ڈلٹا" ہندی زبانون کے حروف ہجا بھی مع شئی زائد اس سے ملتے جلتے ہین غرض
اسی طرح تمام زبانون کے حروف تہجی قریب الماخذ ہین اس دعوے کی دوسری دلیل
یہ بھی ہے کہ ان زبانون مین حروف کی ترتیب بھی تقریباً یکسان ہے مگر رفتہ رفتہ جسطرح
باہم زبانون مین اختلاف پیدا ہوتا گیا اسی طرح طریق کتابت اور رسوم خط مین بھی تغیر
ہوتا گیا، یہانتک کہ اب باہم کوئی مناسبت بھی نظر نہین آتی،

معین الدین ندوی، دارالمصنفین

حکیم ابن زکریا رازی

(چیچک کے علاج کا موجد)

محمد بن زکریا نام، ابوبکر کنیت، شہر رے کا باشندہ تھا، جو بلاد دیلم (متصل آذربیجان) کا نہایت
قدیم اور تاریخی شہر ہی، مردم خیزی کے لحاظ سے رے کی زمین مملکت ایران کے تمام شہرون سے
ممتاز رہی ہے، امام ابوحاتم جو جرح و تعدیل مین یگانۂ روزگار تھے، امام ابوزرعۃ جو مشہور حافظ حدیث تھے،
امام فخرالدین رازی جنکی عظمت و جلالت محتاج بیان نہین، اسی رے کی خاک پاک سے پیدا ہوئے
تھے، حکیم ابن زکریا رازی بھی کہ جس کا لوائے شہرت ایشیا اور یورپ کے علمی میدانون مین بلند ہے
اسی سرزمین سے اٹھا تھا،

حکیم رازی، سب سے پہلا مشہور مسلمان طبیب ہی جس نے مسلمانون کو عیسائی اور یہودی
طبیبون کی غلامی سے نجات دلائی، تیسری صدی ہجری مین سامانیون کے عہد حکومت مین اسنے
فروغ پایا، خاندانی حالات کی اطلاع نہین، ابتدائے شباب کا تمامتر زمانہ موسیقی کی تحصیل کمال
مین صرف ہوا، اور یہی اُسکی ابتدائی زندگی کا پہلا کارنامہ ہی، عالم شباب نمودار ہوا تو طبیعت نے
رجعت قہقری کی اور تحصیل علم کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ رباب و چنگ کی محفل کو خیرباد کہا اور فلسفہ و
حکمت کی بزم مین آبیٹھا، اور آخر صدر نشین ہو کر اٹھا،

پہلے فلسفہ کی تحصیل کی اور اسمین کمال پیدا کیا، منطق مین بھی ممتاز قابلیت حاصل کی،
ان فنون کے بعد طب کا خیال آیا اور اسوقت حضرت سعدی کے مقولہ کے مطابق چہل سالہ تھا،
بزرگان سلف کی تاریخ ہمارے لئے عبرتون کا مرقع ہی، ایک ہم ہین کہ عہد طفولیت بھی
اس زحمت کشی کا متحمل نہین، ایک وہ تھے جنکو جوانی اور پیری بھی تحصیل علم سے باز نہین رکھ سکتی

تھی، طلب علم کا مرحلہ اسوقت اختتام پذیر ہوتا تھا جبکہ کاروان روح، عالم فانی سے کوچ کا ارادہ کرتا تھا۔

مہر تو در وجودم و عشق تو در سرم　　با شیر اندرون شد و با جان بدر شود

اس زمانہ مین طب کا استاد بے بدل حکیم ابوالحسن علی بن سہل بن ربن طبری تھا جسکی تصانیف مین فردوس الحکمۃ نہایت مشہور اور معرکہ کی تصنیف تھی، حکیم موصوف کا مستقر خوش قسمتی سے یہی تھا، رازی نے طب کیلئے اسی بے مثل حکیم کو انتخاب کیا اور اپنے وطن ہی مین فن حکمت کی تکمیل کی،

حکیم ابوالحسن طبرستان کا باشندہ تھا، طب مین مہارت تامہ حاصل تھی، پیشتر یہودی تھا، اس کے بعد متصم باللہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا، طبرستان سے وہ رے چلا آیا، محمد بن زکریا کو یہ نادر موقع تحصیل علم کا ہاتھ آیا، چنانچہ جب تک وہ یہان مقیم رہا۔ رازی نے اوسکے تلمذ سے فائدہ اٹھایا، اس زمانہ مین فن طب شاہی تعلقات کا بہترین ذریعہ تھا، تحصیل کمال کے بعد طلب معاش کی ضرورت پیش آئی۔

نظارت بیمارستان
سلاطین سے تعلقات

حکومت کی طرف سے تمام بڑے بڑے شہرون مین شفاخانے (مارستان) قائم تھے، اسلئے رازی کو اپنے سفر کے پہلے ہی قدم مین کامیابی نصیب ہوئی، یعنی خود اپنے وطن رے کے شفاخانہ کا وہ افسر الاطبا مقرر ہوگیا۔ یہان اسنے اس خوبی سے اپنے فرض کو انجام دیا کہ اس کی شہرت بغداد کی بارگاہ خلافت تک پہونچ گئی، اس زمانہ مین امیر المومنین مکتفی باللہ عباسی سریر آراے خلافت تھا، رازی کی طلبی کا فرمان صادر ہوا، اور وہ بیمارستان اعظم کا دبیر اعلی (انسپکٹر جنرل) بنکر دار الخلافۃ پہنچا،

انسپکٹر جنرل شفاخانجات ہونے کی حیثیت سے رازی سلطنت کا ایک ضروری رکن ہوگیا تھا، خلفاے عباسیہ کے علاوہ دیگر شاہان اسلام سے بھی دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے تھے، منصور بن اسمٰعیل سامانی (متوفی ۳۶۵ھ) جو ماوراء النہر اور خراسان کا بادشاہ تھا، اور سلطان السلاطین[۵۱] کہلاتا تھا، رازی کا شناسا اور دوست تھا۔

ملوک سامانیہ شاہان عہد مین سب سے زیادہ عادل، دیندار اور علم دوست تھے، احمد بن سامان (متوفی ۲۵۰ھ) اس سلسلہ کا پہلا بادشاہ تھا، اس کا پوتا ابراہیم بن اسمٰعیل (متوفی ۲۹۵ھ) علوم و فنون کا ذوق شناس تھا، وہ خود حدیث لکھتا تھا، اور علما کا نہایت احترام کرتا تھا، منصور اسی ابراہیم (ابراہیم کے بھائی) کا پوتا تھا اس بناء پر علم و فن کی قدردانی وراثۃً حصہ مین پائی تھی،[۵۲]

منصور کو ابتداء سے تحصیل علم کا شوق اور فنون فلسفیہ سے رغبت تھی، چنانچہ جب اسکا عنفوان شباب تھا، رازی سے اپنے لئے طب مین ایک کتاب تصنیف کرائی جسکا نام اسکے انتساب سے المنصوری[۵۳] تھا، اس کتاب مین مسائل نظریہ کے ساتھ عملیات کا حصہ بھی شامل تھا،

ابن جلجل نے اپنی تاریخ مین لکھا ہی کہ رازی نے منصور کے نام سے فن کیمیا پر بھی ایک کتاب لکھی تھی اس کو لیکر خود بغداد سے منصور کے پاس گیا، منصور بہت خوش ہوا، اور ایک ہزار دینار (۵ ہزار روپیہ) انعام دیا، اس کتاب مین کیمیا کے عام تخیل کے مطابق، اس کے اصول و قواعد لکھے تھے، منصور نے فرمائش کی کہ جو کچھ فرض و نظریہ کے رو سے ثابت کیا گیا ہی اسکو عملاً بھی دکھاؤ، رازی نے جواب دیا کہ اس مین مختلف آلات، اور اصلی بوٹیون کی ضرورت ہوگی، جنکا فراہم کرنا تکلیف سے خالی نہین، منصور نے کہا کہ جو کچھ ضرورت ہوگی مین مہیا کرونگا تم اپنا کام شروع کرو، رازی اس تخیل کو خود دشوار سمجھ رہا تھا، لیکن اپنا عام اثر قائم رکھنے کیلئے اسنے سو سو طرح کے بہانے کئے،

[۵۱] ابن خلکان ج ۲ ص ۵۰۴ [۵۲] ابن خلکان ص ۵۰۴ و ۵۰۵ [۵۳] اخبار الحکما ۱۸۰

منصور اصل حقیقت کو سمجھ چکا تھا، رازی سے کہا افسوس! لوگ حکمت کے نام جھوٹی باتین لکھکر دنیا کو دھوکہ دیتے ہین! یہ کہکر کوڑا اٹھایا مگر پھر رک گیا، اور درباریون سے کہا کہ یہ کتاب ان کے سر مارو، روانگی کے وقت زادراہ ساتھ کردیا اور بغداد بھجوا دیا، [1]

اس روایت کی نسبت اگرچہ ہم اپنا اطمینان ظاہر نہین کرسکتے، تاہم اس کے غلط ہونے کی بھی کوئی وجہ نہین،

رازی کی نسبت عام طور پر یہ بدظنی پھیل گئی تھی کہ اُسکے دعوے قوت سے فعل مین نہین آئے، [2]

وفات دربار منصور سے واپس آنے کے بعد رازی بغداد ہی مین مقیم رہا، اب وہ نہایت ضعیف ہوگیا تھا، آنکھون کی روشنی جاتی رہی تھی، لوگون نے اسکے مختلف اسباب لکھے ہین۔

لوگون نے علاج کے لیئے ایک کحال کو بلوایا، رازی نے معالج سے پوچھا کہ آنکھ مین کے طبقے ہوتے ہین؟ وہ جواب سے عاجز رہا۔ رازی نے کہا بھائی! تم میرا علاج نہین کرسکتے، لوگون نے ہر چند سمجھایا لیکن رازی نے یہ کہکر ٹالدیا کہ دنیا دیکھتے دیکھتے اکتا گیا، اب مطلق اس کی ہوس نہین، [3]

اسی زمانہ مین وطن کی محبت بغداد سے رے لیگئی، لیکن دراصل یہ محبت وطن کا جذب نہ تھا بلکہ موت اپنی مرکز کی طرف کھینچ رہی تھی، ۳۲۰ھ مطابق ۹۳۲ء مین پیغام اجل آیا، جس خاک سے پیدا ہوا تھا، لوگون نے یہ امانت اوسی کے سپرد کی، یہ تاریخ الدول کی روایت ہی، قاضی ابن خلکان نے سال وفات ۳۱۱ھ (مطابق ۹۲۴ء) تحریر کیا ہی،

اخلاق وعادات اخلاق وعادات کے لحاظ سے رازی عظیم المرتبت انسان تھا، وہ نہایت شجاع،

[1] ابن خلکان ۵۰۲ جلد ۲ [2] تاریخ الدول ابوالفرح [3] تاریخ الدول ابوالفرح،

فیاض نرم دل اور نیکوکار تھا، مریضون کی اچھی طرح نگہداشت کرتا، [1] فقرا پر نظر عنایت رکھتا، اور لوگون کے جاہلانہ سوالات کا نہایت صبر وسکون سے جواب دیتا تھا،

ایک مرتبہ کوئی اسکے سر ہوگیا تو اس نے خاموشی اختیار کرلی، کسی نے کہا کہ تمکو تین علمون مین دعوی ہی، حالانکہ میرے خیال مین تمکو ان علمون سے مس بھی نہین، اولاً تم کیمیا کے مدعی ہو، اگر یہ صحیح ہی، تو اپنی بیوی کے مہر مین جو صرف ۱۰ درہم تھا، عدالت تک جانے اور قسم کھانیکی کیون ضرورت پڑی! گھر ہی مین ۱۰ درہم تھا، عدالت تک جانے اور قسم کھانیکی کیون ضرورت پڑی! گھر ہی مین ۱۰ درہم بناکر دیدیئے ہوتے اور منازعت کا فیصلہ ہوجاتا، دوسرے تمکو طب مین دعوی ہی، لیکن یہ بھی غلط ہی، ورنہ تم اپنی آنکھ خود درست کرلیتے، تیسرے علم نجوم مین دخل ہی، اگر تمکو کائنات کی خبرین معلوم ہوجاتی ہین تو اپنے مصائب سے کیون بے خبر رہی، [2]

رازی نے اس عجیب منطق کو نہایت تحمل سے سُنا اور خاموش رہا۔

بیروت کا ایک فاضل عیسائی لکھتا ہی جو درحقیقت یورپ کی آواز بازگشت ہی کہ۔

"مسلمانون کے نزدیک فن کیمیا کی یہ غرض تھی کہ کم درجہ معدنیات کو سونے کے قالب مین ڈھال لین، اسی طرح ہیئت سے یہ مدعا تھا کہ آنے والے حوادث کا علم ہوجائے"،

آگے چلکر اس بناء فاسد پر ایک اور عمارت کھڑی کرتا ہی کہ،

"مسلمانون کے ان خیالات کی غلطی اور استحالہ اب صاف ظاہر ہی"، [3]

لیکن یہ تمام عمارت اسی مقام پر منہدم ہوجاتی ہی، مذکورہ بالا خیالات محققین حکماے اسلام کے نہین بلکہ شخص واحد کے ہین، اس سے زیادہ کیا ہوسکتا ہی کہ محمد بن زکریا جس پر کیمیا کے یہ تمام اعتراضات تھے، خود ان ردی خیالات سے معرا تھا،

[1] اخبار الحکما ۱۸۹ [2] تاریخ الدول ابوالفرح [3] کتاب الجدری والحصبۃ تذکرہ رازی ص ۴،

رازی سیر و سیاحت کا عادی تھا، چنانچہ رے، بغداد، بیت المقدس، افریقہ اور اسپین اس کے حدود سفر[51] میں داخل تھے،

درس و تدریس کا نہایت شائق تھا، اوقات فرصت اسی شغل میں بسر کرتا تھا، اس کے حلقہ درس میں دور و دراز مقامات کے طلبا شریک ہوتے تھے، ہر روز تعلیم کا بہت بڑا حلقہ ہوتا تھا، رازی صدر میں متمکن ہوتا، تلامذۂ خاص اسکے قریب ہوتے، اور ان کے بعد دوسرے طالب علموں کی نشست ہوتی تھی، مسئلہ سب سے پچھلی صف میں چھیڑا جاتا، وہاں حل نہ ہوسکتا تو آگے بڑھتا ہوا رازی تک پہنچتا، رازی اسپر نہایت مفصل تقریر کرتا اور سائل کو اطمینان ہوجاتا، براہ راست مسئلہ استاد کے سامنے نہیں پیش[52] ہوتا تھا،

تصنیفات

تصنیفات کے لحاظ سے رازی نادرۂ روزگار تھا، علوم طبیعی اور الٰہی میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں، لیکن علم الٰہی میں باانیہمہ کہ نہایت جد و جہد سے تحصیل کی تھی غلطیوں سے محفوظ نہ رہ سکا، اس کی غرض اصلی اسکی نظر سے ہمیشہ پوشیدہ رہی یہی وجہ ہے کہ نہایت کمزور اور پوچ خیالات کی تقلید کرتا ہے، اپنے مخالفین کو برا لکھتا ہے اور اپنے رکیک خیالات کے تسلیم کرانے پر زور دیتا ہے،[53]

رازی کی تصنیفات عموماً اپنے فن میں بے نظیر تسلیم کیگئی ہیں بعض کتابوں میں نہایت معرکۃ الآرا مسائل پر بحث کی ہے، چنانچہ ایک رسالہ اس بیان میں ہے کہ عالم موجودہ حالت پر ہمیشہ نہیں رہ سکتا، ایک رسالہ میں زمین کو کروی ثابت کیا ہے، ایک رسالہ علم النفس پر ہے، ایک میں جبر و مقابلہ کا بیان ہے، اور ایک میں زمین کی حالت طبعی پر بحث کیگئی ہے، ان تمام کتابوں اور رسالوں کی تعداد ۲۰۰ تک پہنچتی ہے، جو فلسفہ، علوم طبعی، علوم الٰہی، طب، نجوم اور کیمیا، جیسے مہتم بالشان علوم و فنون

[51] تاریخ الدول، [52] اخبار الحکما ۱۷۹، [53] اخبار الحکما ۱۷۸،

پر تحریر کی گئیں، علامہ جمال الدین قفطی (المتوفی ۶۴۶ھ) نے اخبار الحکماء میں رازی کے مصنفات کی ایک طویل فہرست درج کی ہے، جو خود مصنف کی تحریر کردہ فہرست[54] کی نقل ثانی ہے، اسکے دیکھنے سے ان مصنفات کی عظمت و جلالت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے،

رازی کی تصنیفات میں چند کتابوں نے شہرت عام حاصل کی، کتاب الجامع جو بدیع المثال کتاب تھی، اور ۱۰۰ مقالوں پر مشتمل تھی، اس کا دوسرا نام کتاب الحاوی بھی ہے، مصنف کی موت کے بعد مشہور ہوئی، کتاب المنصوری جو منصور والی خراسان کے لیئے لکھی تھی اور ۱۰ مقالوں میں تھی، کتاب الاقطاب، الطب الملکی جو علی بن وہسوذان حاکم طبرستان کو بھیجی تھی، کتاب فی التقسیم والتشجیر، کتاب فی الدساکیر والغرل، کتاب فی الطب الروحانی، کتاب فی النفس، فصول جو مشہور کتاب تھی، کتاب الشکوک جسمیں جالینوس اور بقراط پر اعتراضات کیئے تھے، کتاب فی الجدری والحصبہ جو چیچک کی علاج پر تھی، اور ہمکو اس مضمون میں اسی کتاب سے بحث کرنا ہے،

کتاب الجدری والحصبہ حکیم رازی کی نہایت مشہور اور فن طب کی نہایت معرکۃ الآرا تصنیف ہے، حکیم موصوف نے اسکو لکھکر بنی نوع انسان پر جو عظیم الشان احسان کیا ہے وہ ملت اسلام کی ہمیشہ شرف کا غزۂ کمال ہے،

یورپ میں چیچک علاج ڈاکٹر جونر (Jenner) کا ممنون ہے، اور اس میں شک نہیں کہ وہ یورپ میں چیچک کے بہترین طریقہ علاج کا موجد تھا لیکن اس سے مسلمانوں کے فخر اولیت کی نفی نہیں ہوسکتی۔

براعظم یورپ کو اگر ڈاکٹر جونر کی ذات پر فخر ہے اور ہونا چاہئے تو کائنات اسلامی بھی حکیم ابوبکر محمد بن ذکریا رازی المتوفی ۳۲۰ھ ۹۳۲ء کے وجود گرامی پر فخر و ناز کرتی ہے، جسنے چیچک کی بابت عظیم

[54] ۹۷، تا ۱۸۲، اخبار الحکماء،

کا اسوقت سدباب کیا جبکہ یورپ کا کالبد تمدن، اپنے آب و گل کے ابتدائی مدارج مین تھا، یورپ کی بلاد متمدنہ سنہ ۱۷۶۹ء سے بیشتر چیچک کے علاج سے گوش آشنا نہ تھے، لیکن بغداد و رے کی اسلامی بیمارستان اپنے تجربہ کار دبیری بدولت ساڑھے آٹھ سو برس پہلے چیچک سے ہزارون انسانون کو صحت یاب کر چکے تھے،

اس گران قدر رسالہ کا سال تصنیف چوتھی صدی ہجری یا دسوین صدی عیسوی ہی اس زمانہ مین چیچک کی وبا شرق ادنی اور وسطی کے اکثر صوبون مین پھیلی تھی، اور جس نے بنی نوع انسان کی اکثر آبادیون کا خاتمہ کر دیا تھا، رازی اس وبا سے عام کا پہلا معالج تھا، اور اس لحاظ سے وہ تمام عالم کی عزت و تعظیم کا مستحق ہے، اپنے خاص طریقۂ علاج کو رازی نے ایک کتاب مین لکھا ہے جسکا نام کتاب الجدری والحصبہ ہی جسکا ایک مطبوعہ نسخہ ہمارے سامنے ہی

یہ چیچک کا مرض نسل انسانی کا کہنہ ترین مرض ہی، مورخ یونانی پروکوپیوس Procopius نے جو سنہ ۵۶۲ء مین قسطنطنیہ مین عہدہ وزارت پر فائز تھا، گاتھک قبائل کی جنگ کی تاریخ مین لکھا ہی کہ چیچک کی ابتداء[۱] سنہ ۵۴۴ء مین پیلوسیوم سے ہوئی جو کہ بلاد مصر کا مشہور شہر تھا، یہ شہر موجودہ حالت مین ویران پڑا ہی اور اسکے آثار پورٹ سعید اور دمیاط کے درمیان اب تک باقی ہین[۲] پیلوسیوم، رومۃ الکبری کا ایک صوبہ تھا، اور قسطنطنیہ سے جہازون کی آمد و رفت جاری تھی، اس بناء پر مسافرون یا ہوا کے ذریعہ سنہ ۵۶۹ء مین یہ مرض قسطنطنیہ منتقل ہوا، اسی سال ابرہۃ الاشرم صاحب الفیل نے مکہ کا محاصرہ کیا تھا اسکے لشکر مین ہی بیماری پیدا ہوئی جسکی وجہ سے اسنے محاصرہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا، بلاد حبش کے مشہور سیاح بروس Bruce نے بھی اس

[۱] چیچک کی ابتدا نامعلوم ہی، یہ سنہ غالباً اشاعت کا ہی دیکھو انسائیکلوپیڈیا ص ۴۷۷ ج ۲۵

[۲] الرحلۃ الحجازیہ ۱۳۰ و رسالہ الجدری گرینلیوس فان ویکس ص ۲،

کی تصریح کی ہی، عرب سے یہ مرض شرقی صوبہ جات مین پہنچا، یہانتک کہ دسوین صدی عیسوی کے اوائل مین بالکل عام ہو گیا،

اطبائے وقت اس کے علاج مین سرگردان تھے، مگر کوئی تدبیر کام نہ دیتی تھی، رازی نے نہایت غور و فکر کے بعد ایک صحیح طریقۂ علاج قائم کیا اور اپنی تصنیفون مین چیچک کے متعلق خیالات ظاہر کئے، چنانچہ کتاب الحاوی، کتاب المنصوری، اور کتاب تقسیم العلل چیچک کے تذکرہ سے معمور ہین[۱]، لیکن یہ چند سرسری خیالات تھے طبی اصول کے مطابق علاج جدری پر کوئی کتاب وجود مین نہ آئی تھی، رازی نے فکر مزید کے بعد چیچک کے علل و اسباب پر مفصل معلومات بہم پہنچائین، ایک روز وہ کسی رئیس کے مکان پر بیٹھا تھا، علوم نافعہ کا ذکر چھڑا، رئیس (جسکا نام رازی نے نہین لیا ہی) کا خیال تھا کہ زیادہ تر ان علوم پر کتابین تصنیف کیجائین، اسی اثنا مین چیچک کا ذکر آیا، رازی نے اپنے خیالات ظاہر کئے، رئیس نہایت خوش ہوا اور اصرار کیا کہ اسکو ایک رسالہ کی صورت مین قلمبند کر دیجئے، کتاب الجدری والحصبہ اسی گران قدر رسالہ کا نام ہی،

یہ رسالہ اپنے موضوع کے لحاظ سے گو پہلی تصنیف ہی، تاہم مصنف نے اپنی اصول و خیالات نہایت سنجیدگی اور ترتیب کے ساتھ ادا کئے ہین، مضامین کی تفصیل حسب ذیل ہی،

۱- چیچک کی حقیقت اور اسکے انتقال و تعدی کے اسباب،

۲- کس قسم کے جسم اس کی صلاحیت رکھتے ہین اور کب یہ مرض عام ہو جاتا ہی؟

۳- چیچک اور بخار کے دانون کی زیادتی کے علامات،

۴- ان کا علاج،

۵- علامات ظاہر ہونے سے قبل چیچک کی روک تھام اور ظاہر ہونیکے بعد بڑھنے سے فراغت کرنا

[۱] رسالہ الجدری فان ویکس ص ۳

۶- دانون کا جلد ابھار دینا،

۷- آنکھ، کان، حلق، جوڑ کا دانون سے محفوظ رکھنا،

۸- آبلون کا جلد پکا دینا،

۹- پکے آبلون کا خشک کرنا،

۱۰- کھال ادھیڑنا،

۱۱- داغون کا آنکھ اور جسم سے مٹانا،

۱۲- چیچک کے مریض کی غذا،

۱۳- طبیعت کا انداز کرنا۔

۱۴- مرنے اور زندہ رہنے والے کی شناخت،

رازی نے دیگر اطباے سلف کی طرح اس ایجاد و پیشروی کا شرف اطباے یونان کو دینا چاہا ہے لیکن افسوس کہ وہ اوسکے قبول کیلئے راضی نہین، کتاب کی فصل اول مین لکھا ہی کہ "جالینوس نے چیچک کے لئے ایک مرہم ایجاد کیا تھا"، اور اس کے حوالہ مین قاطاجینوس[۱] کے مقالہ ثانیہ کا نام لیا ہی، حالانکہ جالینوس کی کتابون مین چیچک کا کہین ذکر نہین، رازی کو جس عبارت سے وہم ہوا وہ حبیش بن حسن کا عربی ترجمہ ہی، لیکن اصل یہ ہی کہ یہ حبیش کے ترجمہ کی غلطی ہے،

جس لفظ کا ترجمہ چیچک کیا ہی، وہ خود جالینوس کی تشریح کے مطابق مہاسون پر صادق آتا ہے اسکے ماسوا یہی لفظ بقراط، ارسطاطالیس اور دیوسکوریدوس کی کتابون مین آیا ہی، اور ان لوگون کے متعلق تسلیم ہی کہ انھون نے چیچک کے متعلق کچھ نہین لکھا[۲]

[۱] جالینوس کی تصنیف ہی جسکو حبیش بن حسن الملقب بہ اعسم تلمید حنین بن اسحق نے اواخر تیسری صدی ہجری (الجہد متوکل) مین عربی مین ترجمہ کیا تھا یہ کتاب طبیعت علاجات پر ہی، [۲] حاشیہ کتاب الحصبۃ والجدری ص ۱۰،

اسی طرح جالینوس کی دوسری تصنیفون (النبض[۱]، منافع الاعضاء، کتاب طیماوس) سے چیچک پیدا ہونیکے اسباب بیان کرکے اپنے دعوی پر استشہاد کیا ہی، حالانکہ ان مواقع پر چیچک مراد نہین، یہان جو لفظ واقع ہی اسکے معنی جیسا کہ خود جالینوس نے بیان کئے ہین دانہ ہین،

حکیم موصوف نے غلطی سے (یا ازراہ خاکساری) ارسطو کو چیچک کے علاج کا موجد قرار دیا ہی لیکن آج دنیا دانستہ حکیم موصوف کو اس کا موجد تسلیم کر رہی ہی، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مصنفین لکھتے ہین[۲] وہ چیچک کی ابتدائی وجود کی سب سے معتبر شہادت اُس بیان مین موجود ہی جو نوین صدی عیسوی کے ایک عرب طبیب رازی نے لکھا ہی جس نے صاف طریقہ سے بیان کیا، اور اس کا طریقہ علاج بتایا اور اسکے لئے ہدایتین دین،

افسوس ہی کہ ایسی نادر اور کمیاب کتاب مسلمانون کی غفلت کی نذر تھی، یہانتک کہ بعض لوگون نے رازی کی تصنیفات سے اسکا نام بھی اڑا دیا تھا، عیسائیون کے ذوق علمی کی داد دینا چاہئے جنکی غیر معمولی اور مسلسل جد و جہد کی بدولت اس کتاب کے نشر و اشاعت کا سامان بہم پہنچا، بیروت کے مسیحی نے سنہ ۱۸۷۲ء مین نہایت صحت اور اہتمام سے اسکو طبع کیا، یورپ کی مختلف مطبوعہ نسخون اور دنیس کے کتبخانہ دوکیہ (لائبریری آف دی ڈیوک) کے قلمی نسخہ سے مقابلہ کیا، کتاب کی لغزشون اور مشکل مقامات پر شروح و حواشی لکھے، غرض جو اہتمام خود مسلمانون کو کرنا چاہئے تھا، غیر قومون کے ذریعہ سے وقوع مین آیا، کیا یہ کارنامہ عبرت ہماری چشم بصیرت کا سرمہ بن سکتا ہی؟

سعید انصاری

دار المصنفین

[۱] اول الذکر کتاب مین جالینوس کی ہی جس کو حبیش نے عربی مین ترجمہ کیا تھا، تیسری کتاب افلاطون کی کتاب طیماوس کی شرح ہی اور حنین بن اسحاق نے اسکو عربی کا لباس پہنایا تھا، حنین بن اسحاق کا سال ولادت سنہ ۱۹۴ھ اور سن وفات سنہ ۲۶۴ھ ہی [۲] جلد ۲۰ ص ۲۴۷،

ہندو مسلمانوں کا اتحاد

آثار خطبہ علامہ شبلی نعمانی تغمدہ اللہ برحمتہ

علامہ مرحوم نے اکتوبر سنہ ۱۹۱۲ء میں "مسلمانوں کی پولیٹکل کروٹ" کے عنوان سے ایک سلسلہ مسلم گزٹ لکھنؤ میں لکھا تھا، مضمون ہندو مسلمانوں دونوں میں نہایت مقبول ہوا، مسلم لیگ کے نظام سیاست کی تصحیح انہیں مضامین کا نتیجہ تھا، لیڈر الہ آباد نے ان کا انگریزی میں ترجمہ شائع کیا، مضمون کے تیسرے نمبر کی آخری بحث، ہندو مسلمانوں کے اتحاد کا مسئلہ تھا، اس نمبر میں علامۂ مرحوم نے ہندوؤں کی تیموریوں کے ساتھ وفاداری کی بے انتہا ستائش کی تھی، مسلمانوں کو اس سے ایک حد تک طرفدارانہ رنج پہنچا تھا، اس کے بعد مرحوم نے چوتھا نمبر لکھا، جس میں دکھلایا تھا کہ یہ وفاداری مسلمانوں کے کن احسانات کا ردعمل تھا، افسوس کہ یہ آخری نمبر اُن کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا، اول کے صفحات میں تیسرے نمبر کا متعلق حصہ اور چوتھا غیر مطبوع نمبر بعینہٖ ہم شائع کرتے ہیں، الغرض یہ ہندو مسلمانوں کے عہد محبت و اتحاد کے یادگار واقعات ہیں جو ہندوستان کی شاداب سرزمین میں ہمیشہ تر و تازہ رہینگے،

مسائل پالٹکس کا یہ ایک اہم مسئلہ قرار دیدیا گیا ہی یعنی چونکہ ان دو قوموں میں اتحاد ناممکن ہے اس لئے پولیٹکل معاملات میں ہمارا اور ہندوؤں کا کوئی مشترک اسٹیج نہیں بن سکتا۔

اس دلیل کے اگرچہ دونوں ٹکڑے غلط ہیں، لیکن اس فتنہ کو جس قدر کوئی بھڑکانا چاہے بھڑک سکتا ہی۔ اولاً تو فطرت انسانی جسقدر اختلاف کے لئے موزون ہی، اتفاق کے لئے نہیں ہی، یہی وجہ ہے کہ اختلاف کی حالت میں جس طرح تمام جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ اتفاق میں نہیں ہو سکتے، دوسرے مسلمانوں کے آب و گل میں رزم جوئی ہی۔ یہ وصف عیب ہو یا ہنر لیکن بہرحال یہ ہمارا اصلی جوہر ہے جو ہمیشہ مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا رہا ہی، اور اب بھی ہی گو خوشنما صورت میں نہیں۔ ان سب پر یہ مستزاد کہ اخبار کے چلنے یا قوم کے لیڈر بننے کا یہ ایک آسان نسخہ ہی کہ فرقانہ جذبات کو برانگیختہ کر دیا جائے۔

گو یہ چنداں مقدم مسئلہ نہیں کہ پہلے اس سے آغاز کیا جائے لیکن تاریخی ترتیب اور منطق کی استدلال تمثیلی کے لحاظ سے ہم کو ہندوؤں کی پچھلی تاریخ پر نظر ڈالنی چاہئے، یہ ظاہر ہی کہ ہندو کبھی ایران اور عرب پر چڑھ کر نہیں گئے تھے۔ اس کے بجائے خود ان کے ملک پر ہم نے حملہ کیا۔ ہم نے ان کا مشہور کعبہ سومنات برباد کر دیا۔ ہم نے بنارس اور متھرا کے شوالے ویران کر دیے۔

ہندوؤں کی خاندانی روایتیں ان زخموں کو ہمیشہ ہرا رکھتی ہیں، لیکن جب اکبر نے ایک دفعہ محبت کی نگاہ اُٹھا کر ان کی طرف دیکھ لیا، تو یہی زخم خوردہ دل محبت سے لبریز ہو گئے، اور بہادر راجپوت مہاراجوں نے نہ صرف جان و مال بلکہ اپنا ننگ و ناموس حوالہ کر دیا، اور بیٹیاں تک دیدیں، یہ اکبر کا جبر اور راجپوتوں کا خوشامدانہ کام نہ تھا جبر اور خوشامد دل کی رگوں میں گھر نہیں کرتے جہانگیر کا بیٹا خسرو جب باغی ہوا تو اس کی ماں نے جو جے پور کی رانی تھی، خسرو کو بہت سمجھایا، لیکن جب وہ ناخلف نہ مانا۔ تو غیرت مند راجپوتنی یہ نہ دیکھ سکی کہ اس کی کوکھ بغاوت سے داغدار ہو، اس نے افیون کھائی اور مرگئی، جہانگیر اُس کی اس غیرتمندانہ شرافت کی داد ان الفاظ میں دیتا ہی

دو کر بہ خسرو متعدد بات نوشت، و او را دلالت بہ اخلاص و محبت من می کرد چون دید کہ ہیچ فائدہ ندارد عاقبت نامعلوم است کہ بکجا منجر خواہد شد، از غیرتے کہ لازمۂ راجپوتانی است خاطر بمرگ خود قرار داد،

جہانگیر پر اس وفاداری کا جو اثر ہوا، خود اسکے الفاظ مین سننا چاہئے۔

"از فوت او بنابر تعلقی کہ داشتم، ابائے بر من گذشت کہ از حیات و زندگانی، خود ہیچ گونہ لذتے

نداشتم چہار شبانہ روز کہ سی و دو پہر باشد از غایت کلفت واندوہ چیزے از ماکول و مشروب

وارد طبیعت نگشت"

یہ سچے جذبات، یہ پر حسرت انگیز محبت، یہ جگر گداز اثر، خوشامد سے نہین پیدا ہوتے۔

اکبر کے دربار کے ستون اعظم **بیرم خان**، خان اعظم کوکلتاش، **بہادر خان** صوبہ دار

جون پور تھے، ان مین کسکا دامن بغاوت کے داغ سے پاک ہی لیکن یہ بدنامی کسی ہندو راجہ

نے نہین اٹھائی، مان سنگھ کو اکبر نے راجپوتون کے قبلہ اعظم یعنی مہارانا اودیپور کے مقابلہ پر بھیجدیا

جنکی یہ عزت تھی کہ جب وہ اپنے پانؤن کے انگوٹھے سے راجاؤن کے پیشانی پر تلک لگاتے تھے

تب وہ راجہ ہو سکتے تھے، مان سنگھ بے عذر گیا، اور اودیپور سے معرکہ آرا ہوکر فتح حاصل کی،

اکبر سے لیکر عالمگیر تک کس درباری ہندو نے بغاوت کی۔ عالمگیر کے مقابلہ مین ہندو تلوار

لیکر بڑھے، لیکن کیون؟ اس لئے نہین کہ وہ مسلمان ہی بلکہ وہ شاہ جہان کی مرضی کے خلاف داراشکوہ

سے بغاوت کر رہا ہی، ہندؤن نے عالمگیر کے مقابلہ مین شاہ جہان اور **داراشکوہ** کا ساتھ دیا تو کون

ان کو الزام دے سکتا ہی، عین معرکہ کارزار مین جب راجہ روپ سنگھ (مہارانا اودیپور کا نواسا) فوجون کو

چیرتا ہوا عالمگیر کے قریب پہنچ گیا تو اس نے للکار کر کہا کہ

"وارے تو دارا کا مقابلہ کرنے چلا ہے"۔

اس فقرہ کا لہجہ بتاتا ہی کہ وہ مذہبی جوش سے نہین بلکہ دارا کی محبت مین ڈوبکر نکلا ہی،

شاہ جہان کے بعد بعض اطراف مین ہندؤن نے بغاوت کی لیکن وہ ایک مذہبی غلط فہمی

پر مبنی تھی اور کوئی راجہ یا مہاراجہ اس مین شریک نہ تھا اور بہت جلد فرو ہوگئی، عالمگیر دکن چلا گیا

اور ۲۵ برس تک دہلی کا پایہ تخت خالی رہا، اس سے بڑھکر راجپوت راجاؤن کے لئے کیا عمدہ موقع

تھا کہ دہلی پر حملہ آور ہوتے یا کم از کم راجپوتانہ مین علم بغاوت بلند کرتے، لیکن جے پور اور جودھپور مین جو

راجپوتی طاقت کا مرکز تھے نکسیر تک نہ پھوٹی **سیواجی** نے بغاوت کی، سکھ بھی باغی ہوے، لیکن یہ

نوخیز ملکی طاقتین تھین جو ہر حال مین ظہور کرتین، اسکو بغاوت سے کوئی تعلق نہ تھا، بلکہ خود سری اور ایک نئی

سلطنت کی ابھرنے والی قوت تھی۔ دنیا مین جن لوگون نے اپنی دست و بازو سے نئی سلطنتین قائم

کی ہین، ان کو کوئی باغی نہین کہ سکتا، ورنہ تیمور اور سکندر سے بڑھکر کون باغی ہو سکتا ہی:

(۲)

پچھلے آرٹکل مین ہم نے مسلم لیگ کی موجودہ حالت اور ہندو مسلمانون کے اتحاد کے متعلق بحث

کی تھی۔ ہم کو مسرت ہی کہ مضمون کے پہلے حصہ سے اکثر بزرگون کو اتفاق ہی اور قوم کے بعض نہایت ممتاز

لیڈرون نے ہم کو یقین دلایا ہی کہ اب کے سالانہ اجلاس مین لیگ کا نظام قریباً بدل دیا جائیگا اور جو تجویزین

ہم نے لیگ کی اصلاح کی پیش کی ہین، قریب قریب لیگ اسی قالب مین ڈھل جائیگی، اگر یہ صحیح ہے،

تو پھر ہمکو لیگ کی مخالفت کی کوئی وجہ نہین ہوگی، اور ہم سب سے پہلے اسکے آگے گردن جھکا دینگے،

لیکن آرٹکل کے دوسرے حصہ نے ہمارے اکثر اعزہ اور احباب بلکہ قریباً تمام قوم کو آزردہ کر دیا ہی

اور سچ یہ ہی کہ اُن کی یہ آزردگی بیجا بھی نہین ہی، ہماری نیت گو کچھ ہی ہو اور گو اس پیرایہ کے اختیار کرنے

کی کوئی وجہ ہوئی ہو لیکن یہ بالکل سچ ہی کہ اس مضمون نے بظاہر میزان عدل کا ایک پلہ بالکل جھکا دیا ہی

ہم نے ہندؤن کی وفاداری اور نیک طبعی کی قدردانی کی لیکن مضمون کے پڑھنے والے پر ساتھ ہی

یہ اثر پڑتا ہی کہ مسلمان قابل الزام تھے۔ مسلمانون کی بت شکنی کا ہم نے ایسے لفظون مین ذکر کیا جس سے

ظاہر ہوتا ہی کہ ہم مسلمانون کو مجرم سمجھتے ہین مضمون سے مجموعی طور پر یہ اثر بھی پڑتا ہی کہ ہندؤن نے

مسلمانون کے ساتھ جو وفاداری کی یہ اُن کا احسان تھا، مسلمانون کی فیاضی کی قیمت نہ تھی لیکن

واقعہ یہ ہی کہ یہ دونون خیال غلط ہین، اس غلطی کی اصلی وجہ ایک اور غلطی تھی یعنی ہم نے یہ فرض کرلیا
کہ مسلم گزٹ کے تمام ناظرین ہمارے اُن مضامین کو پڑھ چکے ہین جو عالمگیر اور جہانگیر اور مسلمانون کی
بے تعصبی کے متعلق شایع ہو چکے ہین،

مسلمانون نے جسقدر بت شکنیان کین، مذہبی تعصب سے نہ تھین، بلکہ اُسکی وجہ یہ تھی
کہ اُس زمانہ مین مذہب اور پالیٹکس مخلوط تھے، یعنی حریف کی ملکی طاقت کا مٹانا بغیر اسکے نہین ہو سکتا
تھا کہ اسکی مذہبی طاقت کو بھی مغلوب نہ کردیا جاے۔ آج ایسے روشن زمانہ مین لارڈ کچنر کو مہدی
سوڈانی کی قبر اسی غرض سے اکھڑوا کر برباد کردینی پڑی، اور خود ہندؤن نے اسی ضرورت سے
اپنے زمانہ اقتدار مین سیکڑون مسجدین برباد کردین، اسی بنا پر مسلمانون نے حملہ کے وقت بتخانے
گراے لیکن امن وامان اور تسلط کے بعد کبھی کوئی بت خانہ نہین گرایا گیا، اور جو بت خانے گراے
گئے اُن کے خاص پولیٹکل اسباب تھے، یہ مضمون اس قدر وسیع ہے کہ اس آرٹکل مین سما نہین
سکتا، اور اسلیے ہم بمجبوری اپنے ناظرین سے درخواست کرتے ہین کہ وہ کم از کم مضامین عالمگیر
مطبوعہ کان پور کو ایک دفعہ ملاحظہ فرمالین،

اس مضمون مین ہم اس پہلو کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ دکھانا چاہتے ہین کہ ہندؤن نے جو
کچھ ہمارے ساتھ کیا وہ ان کا احسان نہ تھا، بلکہ ہمارے احسانات اور فیاضیون کی قیمت تھی اور
یہ کہنا مشکل ہی کہ یہ قیمت اصل مال کے برابر بھی تھی یا نہین،

ہندؤن کی وفاداری کا زمانہ اکبر سے شروع ہوتا ہی، اس لیے یہ تفصیل سننا
چاہیے کہ اس واقعہ کی ابتدا کیونکر ہوئی اور کس طرح اُسنے وسعت حاصل کی،

ہمایون کے زمانہ مین آنبیر مین جو جے پور سے چند میل پر واقع ہے، ایک چھوٹی سی
ریاست تھی، یہان کا راجہ برتھی راج کچھواہہ تھا، ہمایون کے مرنیکے بعد جابجا جو بغاوتین برپا ہوگئین

ان مین حاجی خان نے جو شیر خان کا غلام تھا، نارنول کا محاصرہ کیا، اس محاصرہ مین برتھی راج کا
بیٹا راجہ بھارامل بھی شریک تھا، نارنول پر مجنون خان قابض تھا جو ہمایونی امرا مین تھا، راجہ
بھارامل بھی شریک تھا، راجہ بھارامل نے مجنون خان سے دوستانہ نامہ وپیغام کرکے نارنول کو
لے لیا اور مجنون خان کو عزت وآبرو کے ساتھ رخصت کردیا۔ جب اکبر نے کاروبار سنبھالا
تو مجنون خان نے راجہ بھارامل کے اوصاف اکبر سے بیان کیے۔ اکبر قابلیت ولیاقت کا عام
قدردان تھا فوراً طلبی کا فرمان گیا اور تخت نشینی کے پہلے ہی سال راجہ مذکور نے ملازمت شاہی
حاصل کی۔

ایک موقع پر جب اکبر مست ہاتی پر سوار ہوکر نکلا تو ہاتی جس طرف رخ کرتا تھا لوگ پھٹ جاتی
تھے، اتفاق سے ہاتی، راجہ بھارامل کی طرف جھکا، راجہ مع اپنے راجپوتون کے اپنی جگہ پر جما رہا،
اکبر دلیرانہ ادائون کا شیدا تھا، بے اختیار راجہ کی طرف دیکھکر بول اٹھا کہ "تجھکو نہال کردونگا"،

سنہ ۶ جلوس مین چونکہ راجہ کے بھتیجے راجہ سوجا نے سرکشی کی تھی اسلیے اجمیر کے
صوبدار نے اس کو شکست دے کر چاہا کہ انبیر پر قبضہ کرلے، راجہ بھارامل نے پہاڑون مین
جا کر پناہ لی، اسی سال اکبر اجمیر کی زیارت کو گیا، اور جب اسکو یہ حال معلوم ہوا تو راجہ بھارامل کو
بلا بھیجا، راجہ نے سانبھر مین آکر باریابی حاصل کی، اور پہلے ہی دربار مین اکبر نے اس کو انعامات
اور قدردانیون سے اسقدر زیر بار کردیا کہ راجہ نے خود قرابت کی درخواست کی، اکبر نے منظور کیا،
سانبھر مین شادی کی رسمین ادا ہوئین، اور راجہ کی لڑکی حرم شاہی مین داخل ہوئی، راجپوتی اور تیموری
خون کی آمیزش کا یہ پہلا دن تھا،[1]

راجہ کی وفا شعاری کا جو صلہ اکبر نے دیا وہ یہ تھا کہ راجہ جو ابھی تک ایک معمولی راجہ تھا،

[1] یہ پوری تفصیل مآثر الامراء جلد دوم صفحہ ۱۱۱ تا صفحہ ۱۱۳ مین ہے،

"عرش آشیانی (یعنی اکبر) بانہ قدر او را از جمیع راجہ ہا و رایان ہندوستان گذرانیدہ فرزندان و نبایر و اقوام او را بہ مراتب بزرگ و مناصب ارجمند اعتبار بخشیدہ سرامد اعیان و ارکان ہندوستان ساخت،" (مآثر الامراء جلد دوم صفحہ ۱۱۳)

راجہ بھارامل کے بعد راجہ بھگونت داس اس کا جانشین ہوا، اکبر نے اس کی بیٹی سے شاہزادہ سلیم (جہانگیر) کا عقد کیا،

اکبر نے دلہن کی جو عزت افزائی کی، دنیا کی تاریخ اس کی کوئی مثال پیش نہیں کر سکتی، ہم اپنے ناظرین کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ جس حد تک چاہیں قیاس کے جولانگاہ کو وسعت دیں اور دیکھنا کہ کیا طائر وہم بھی اس حد تک پہنچ سکتا؟ کیا دلہن پر زر و جواہر نثار کئے گئے؟ کیا تمام راستہ میں مخمل و کم خواب کے پانداز ڈالے گئے، کیا دو کروڑ کا مہر بندھا؟ ہاں یہ سب ہوا لیکن یہ کوئی چیز نہ تھی، اکبر جو دنیا کا اسوقت سب سے بڑا شاہنشاہ تھا اور شاہزادہ سلیم جو آگے چل کر جہانگیر ہوا، اور جو شاہزادگی میں بھی شاہنشاہوں کے برابر تھا، دلہن کے محافہ کو کہار بنکر اپنے کندھوں پر لائے[۵۷] کیا ہندوؤں میں کسی راجہ مہاراجہ نے اپنی بہو کو یہ عزت دی ہے، کیا خود اکبر نے شہزادیان تیمور کے لیے یہ ننگ گوارا کیا؟

اکبر و جہانگیر و شاہ جہان وغیرہ کے احسانات صرف سوشل احسانات نہ تھے، پولٹیکل احسانات اس سے بھی زیادہ تھے اور سچ یہ ہے کہ کسی قوم نے اپنی مفتوح قوم کو یہ عزت یہ حقوق یہ درجہ کبھی نہیں دیا، آج کلکٹری اور کمشنری کے عہدے ہندوستانیوں کے لیے منتہائے خیال ہیں، لیکن تیموریوں نے وزارت اعظم اور سپہ سالاری تک ہندوؤں کو عنایت کی،

---

[۵۷] مآثر الامرا جلد دوم صفحہ ۱۳۰

تقریظ و انتقاد

نقد الشعر

مسلمانوں نے اپنے عہد اقبال میں جن فنون کا اختراع کیا، ان میں ایک نقد الشعر بھی ہے، نقد الشعر کا موضوع، عام شاعری یا کسی خاص شاعر کے کلام کی علمی اور فلسفیانہ تنقید ہی محاسن و معائب کلام کو خالص آزادی اور بے تعصبی کے ساتھ اصول فن کے مطابق تحلیل و تجزیہ کر کے دکھایا جائے، اور اس کی ایک ایک خوبی یا عیب کو مختلف تقسیمات کلیہ کے ذریعہ سے آشکار کیا جائے،

عربی زبان میں اس فن پر متعدد کتابیں موجود ہیں، جس طرح سونا چاندی کی تلاش نے کیمیا سے کیمسٹری تک دنیا کو پہنچا دیا، اوسی طرح اس فن کی ابتدا، درحقیقت صنائع و بدائع کی تلاش و جستجو سے ہوئی ہی، خلافت عباسی کا شاعر شہزادہ ابن معتز نے بدائع پر سب سے پہلی کتاب لکھی، اس کے بعد ابن قدامہ نے نقد الشعر لکھی، اس کتاب میں نہایت خوبی کے ساتھ، ابن قدامہ شاعری کے تمام اصناف مضامین کی تحلیل کر کے ہر صنف مضمون کے تحت میں مختلف شعرا کے کلام کو بطور سند پیش کرتا ہی، اور فن کے اصول موضوعہ کے مطابق، اس کلام کے محاسن یا معائب کی تعدید کرتا ہی ابو ہلال عسکری نے صناعتین میں نظم و نثر دونوں فنون کے متعلق نقد کے اصول مرتب کئے، اس فن کی سب سے کامل تصنیف ابن رشیق قیروانی کی کتاب العمدہ ہی، اور ابن شرف قیروانی کی رسائل الانتقاد ہے

یہ تصنیفات مطلق شاعری پر نقد و تنقید ہیں تیسری صدی ہجری میں ابو تمام اور بحتری عربی زبان کے نہایت مشہور شاعر تھے، ان کی باہمی ترجیح و تفوق میں لوگوں کا اسی طرح اختلاف

رائے تھا، جس طرح ہماری زبان مین میرانیس و مرزا دبیر، غالب و ذوق، داغ و امیر وغیرہ کے متعلق در پیش ہے، سیف الدین آمدی ایک مشہور ادیب نے الموازنہ بین البحتری و ابی تمام ایک نہایت وسیع المباحث کتاب لکھی، اور ان دونون شاعرون کے متحد و مختلف مضامین کا موازنہ کیا، اور ایک ایک شعر کو لیکر اس کی ایک ایک گرہ کھولی، اور بتایا کہ اصل مضمون پہلے کسقدر رکھتا، ان دونون شعرا نے اس کو کس حد تک ترقی دی، اور کون اس مین کہان تک کامیاب ہوا،

متنبی، عربی زبان کا خاتم الشعرا ہے، اس کی جدت مضامین، ندرت تشبیہ، شگفتگی ترکیب بزرگ سرد هننے ہین، لیکن اس قبول عام کے باوجود وہ گرفت سے محفوظ نہ رہ سکا، سرقات المتنبی کے نام سے ایک ادیب نے اس کے مسروقات کلام جمع کئے، صاحب بن عباد نے اس کے معائب کلام پر ایک پوری کتاب لکھی، قاضی جرجانی المتوفی سنہ ۳۶۶ نے الوساطہ بین المتنبی و خصومہ کے عنوان سے اس پر محاکمہ لکھا، اور تنبنی کے محاسن کلام پر بنہایت تدقیق و تحقیق سے مفصل مباحث لکھے،

فارسی زبان مین بے شبہ شاعری نے بڑی ترقی کی، لیکن اس فن شریف سے اُس کا دامنِ کمال ہمیشہ خالی رہا، تذکرون مین عموماً شعرا کے حالات کے ضمن اُون کے منتخب اشعار و ابیات کے بے ترتیب انبار لگا دیتے ہین، امیر خسرو نے اپنے دیوان غرۃ الکمال پر جو نثر مین مقدمہ لکھا ہے، وہ ایک حد تک فارسی شاعری پر اجمالی ریویو ہے، اردو زبان جو ابھی منازل طفولیت مین ہے، استاذ مرحوم نے موازنہ انیس و دبیر و شعر العجم لکھکر اس زبان مین اسی نقص کی تکمیل کی ہے،

ہم چاہتے ہین، کہ نقد الشعر کے عنوان سے کبھی کبھی اردو زبان کی شاعری پر نقد اور ریویو لکھا جائے اور علمی حیثیت سے کسی خاص شاعر کے کلام کو لیکر اُسکے محاسن و معائب کی فلسفیانہ تشریح کی جائے، اور دیکھا جائے کہ کسی خاص شاعر کا اصلی موضوع سخن اور حقیقی رنگ طبیعت کیا ہے؟ اور وہ کن کن مظاہر مین باختلاف صُوَر نمودار ہوا ہے، اور اُسکے کلام مین فن کی حیثیت سے کیا نقص اور خامیان ہین،

ہمارے پاس ہمارے ایک دوست مولوی محبوب الرحمن صاحب کلیم بی۔ اے نے اسی نمبر کیلئے مخدوم مکرم خان بہادر میر اکبر حسین صاحب کے کلام پر ایک ریویو لکھکر بھیجا ہے اس ریویو کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین میر صاحب کے منتخب اشعار یکجا کر دئے ہین، دوسرے حصہ مین اون کے کلام پر خردہ گیری کی ہے جن مین بعض صحیح اور بعض غلط فہمی پر مبنی ہین، اس سے پہلے کہ ہم اپنے دوست کے افکار عالیہ سے ناظرین کو مطلع کرین، اپنے خیالات کا اظہار ضروری جانتے ہین،

کلام اکبر

ولی دکنی سے لیکر امیر و داغ و جلال کے زمانہ تک ہماری شاعری جس تنگ و محدود شاہراہ پر چل رہی تھی، اہل نظر کا دل اس سے اسقدر اکتا گیا تھا کہ اگر نئے راستے پیدا نہ ہوتے تو اردو شاعری فنا ہو چکی ہوتی، مولانا شبلی کی تاریخی شاعری، مولانا حالی کا پند و موعظت، مولوی اسمٰعیل میرٹھی کی اخلاقی کہانیان، ڈاکٹر اقبال کا فلسفہ، میر اکبر حسین صاحب کی پُر معنی اور لطیف ظرافت اردو شاعری کی جدید تاریخ کے شاندار ابواب ہین،

ارباب تجارت کے دو صنف ہین، ایک وہ جو بازار کا چلن دیکھکر اپنی دوکان مین ہر ضرورت کی چیزین ادہر ادہر چن دیتے ہین، خریدار راستہ سے گذرتے ہین، اور اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق دوکان سے مختلف چیزین اٹھا لیتے ہین، دوکاندار کو جو سستی چیز اور چلتی ہوئی نظر آتی ہے اوسی کو لے لیکر اپنی دوکان سج لیتا ہے، دوسرے وہ سوداگر ہین جنہون نے اپنے مذاق اور استعداد کے مطابق کوئی چیز پسند کر لی ہے اور اب صرف اوسی جنس کی اُن کی دوکان مین بہتات ہے، اگر تم کو کسی اور چیز کی ضرورت ہے تو اسی قسم کی کوئی اور دوکان تلاش کرو، جہان صرف اسی جنس کی تجارت ہوتی ہے، عموماً بڑے بڑے تجار اسی دوسری قسم میں داخل ہین،

شاعری کا بھی یہی حال ہے، فردوسی، شیخ سعدی، حافظ شیرازی، خیام نیشاپوری، عرفی شیرازی

جنکا کلام قبول عام کر چکا ہی، تھوک فروش سوداگر تھے، جنکے یہان شاعر کے مذاق کے مطابق کلام ملیگا۔ اُن مین ناظرین کے مذاق و انتخاب سے بحث نہین ایک شاعر و خطیب مین سب سے بڑا نازک فرق یہی ہے، شاعر دنیا کو صرف اپنا دل دکھلاتا ہی خطیب سامعین کے دل دیکھتا ہی، اور اُن کے خیالات و جذبات کو متاثر کرنا چاہتا ہی، یہی سبب ہی کہ تمام بڑے بڑے شعراء کا ایک خاص رنگ مذاق ہی، جسکے مطابق وہ اپنے کلام کو فروغ دیتے ہین،

قدیم شعرائے اردو مین، میر، غالب، **انشا**، اور **نظیر** اکبر آبادی کے سوا کسی اور کا کوئی مخصوص موضوع سخن نہین، جدید شاعری کے ہماری زبان پر دو بڑے احسانات ہین، ایک تو غزل و قصیدہ کے متفرق و پراگندہ خیالات کے بجائے عربی شاعری کی طرح مسلسل مضامین کی اوسنے بنیاد ڈالی، دوم یہ کہ زلف و شانہ کے الجھاؤ اور گرفتاری سے اس نے نجات پائی، اور ہر قسم کے مسلسل خیالات شعر مین بند ھنے لگے، ہماری تعلیم اور عام فضل و کمال کے مشاہیر جس طرح اب تک وہی قدیم تعلیم یافتہ تھے جنھون نے بوریا نشین ہو کر تعلیم پائی اور اب تک قومی اسٹیج کے وہ مالک تھے، اسی طرح جدید شاعری کے میدان مین بھی اب تک وہی بزرگوار شیر و مین جنھون نے قدیم شاعری سے اکتا کر اس نئے کوچہ مین قدم رکھا،

مولانا حالی، اور میر اکبر حسین دونون قدیم شاعری کے استاد مسلم الثبوت ہین، اون کے دیوانون کا ایک حصہ اونھین قدیم غزلون کا مجموعہ ہی جس کے شکست و ریخت مین عمر کا بڑا حصہ ضائع کیا گیا ہی، میر صاحب غالباً وحید الہ آبادی کے شاگرد ہین، جنکو آتش یا ناسخ سے شرف تلمذ تھا، اسی بنا پر میر صاحب کی شاعری مین لکھنؤ کا مذاق نہایت نمایان ہی، اور وہی رنگ طبیعت نکھر کر ایک ایک اور عالم بن گیا ہی، اب تک ان کے دو دیوان شائع ہو چکے ہین، کلام کی تقسیم مختلف مضامین پر ہی، لیکن در حقیقت ہم انکو صرف تین جلی تقسیمات مین درج کرتے ہین، غزلین سنجیدہ اور متین کلام، ظریفانہ نظمین

اول اور دوم صنف سخن کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہین صرف تیسری صنف ایسی ہی جو اُن کی خاص چیز کہی جا سکتی ہی۔

لکھنؤ کے شعرا مین سید انشا (لکھنؤ اگر) اور امانت لکھنوی کا جو رنگ ہی، میر صاحب کی ظریفانہ نظمون کا در حقیقت وہ اساس سخن ہی، آج سے تیس برس پہلے، لکھنؤ سے اودھ پنچ نام سے ایک اخبار نکلا تھا، اور مدت تک زندہ رہا، میر صاحب کے فطری رنگ کی پختگی مین اس اخبار سے بڑی مدد ملی، اس کی ہفتہ وار اشاعتون مین میر صاحب کا کلام خاص ذوق سے لوگ پڑھا کرتے تھے، اودھ پنچ کے گر جانے کے بعد اور ماہوار رسائل مین بھی میر صاحب کا کلام چھپکر مطبوع ہونے لگا، اور اب ہماری زبان کا ہر ممتاز رسالہ اور اخبار، اُن کے اشعار کے لئے ہر مہینہ بیقرار رہتا ہے،

میر صاحب کا اعلیٰ مذاق و رنگی شاعری کا موضوع عام بر معنی اور سنجیدہ ظرافت ہی، انکو مذہب، فلسفہ، سیاست، قومیات جس موضوع پر بھی جو کچھ کہنا ہوتا ہی اسکا مغز سخن خواہ جو کچھ ہو لیکن اوسکا قشر بالائی صرف سنجیدہ ظرافت ہوتی ہی، ظرافت کا کا رنگ جو سید انشا اور سعادت علی خان کی بدولت لکھنؤ کی شاعری مین پیدا ہو گیا تھا اس کا مقصد صرف تفریح طبع اور دل بہلانا تھا، ضلع جگت اور رعایت لفظی، لکھنؤ کا خاص مذاق ہی، اس کا مقصد بھی محض تفنن طبع تھا، اور لکھنؤ مین امانت اس اقلیم کا بادشاہ ہوا ہی، جان صاحب کا ظریفانہ رنگ گو زنانہ لہجہ مین آکر بدنما ہو گیا تھا، تاہم اوسکی بنیاد بھی محض تفریح طبع پر تھی، میر صاحب کا احسان یہ ہی کہ انھون نے **سعدی** اور ابن خیام کے مغز سخن کو امانت کے الفاظ مین اور سید انشا کی بولی مین اس طرح ادا کیا کہ وہ نہ صرف تفریح طبع اور واہ واہ کا سامان رہا، بلکہ اُس کی تہ مین، پند و موعظت، اخلاقی تعلیم، سیاسی نکتے، فلسفیانہ اسرار، مذہبی مسائل، اجتماعی مباحث بھی نظر آنے لگے، سید انشا کے زمانہ کی سرکاری زبان فارسی اور ترکی تھی، وہ اسی شیوہ اور رقوام سے اپنا شربت تیار کرتے تھے، اب انگریزی سرکاری زبان ہے، میر صاحب اس بادۂ فرنگی کی آمیزش سے ذوقِ کلام کو لطف دیتے ہین،

ہم اوپر کہ آئے ہین کہ میر صاحب کے اصناف کلام مین گو ہر جنس کی چیزین ملتی ہین، لیکن اُن کے عطرِ سخن کی زمین درحقیقت ظرافت ہوتی ہی، اسی رنگ و روغن سے وہ ہر قسم کے نقش و تصویر بناتے ہین اور ان کو اس طرح سجاتے ہین کہ ہر دیوار و در مین ان کی خوشنمائی غیر معمولی ہوتی ہی، میر صاحب اسی شیر و شکر مین پند و موعظت اور نصیحت گری کی اُن تلخ دواؤن کا گھونٹ گلے سے اتار دیتے ہین، جنکو یون پینا اس عہد لطافت و متنزہ پسندی مین ناممکن تھا، میر صاحب بھری محفل مین، علماے کرام، مشائخ عظام، امرا و حکام، مدعیان رہبری عام، اور نوجوان تعلیم یافتون کا خاکہ اڑاتے ہین اور اُن کی جبینون پر میل تک نہین آتا!

میر صاحب کا اصل رنگ یہ ہی کہ جدید طرز معاشرت، یورپین اخلاق و عادات، تعلیم جدید کے نقائص، مغربی تقلید کے معائب کو ظرافت کے پردہ مین اس طرح نمایان اور واضح کرین کہ مخاطب جھینپکر خاموش ہو جائے اور اپنے فعل پر تھوڑی دیر کے لیے اُس کے چہرہ پر ندامت کا خون دوڑ جای، کہتے ہین:

ہرچند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے
بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہی صابون بھی ہی

لیکن یہ مین تجھ سے پوچھتا ہون ہندی
یورپ کا تری رگون مین کچھ خون بھی ہی

آگاہ ہون یعنی خوش اقبالی سے
واقف ہون بناے رتبۂ عالی سے

شہرت مین عزت کی اور ہین اکبر
چلتا نہین کام صرف نقالی سے

تعلیم مین اُن علوم کے ہو مصروف
نیچر کی جو طاقتون کو کر دے مکشوف

لیکن تم سے امید کیا ہو کہ تمھین
عہدہ مطلوب ہی وطن ہے مالوف

مذہب کی کہون تو دل لگی مین اڑ جاے
مطلب کی کہون تو بالسی مین اڑ جای

باقی سر قوم مین ابھی ہے کچھ ہوش
غالب ہی کہ یہ بھی اس صدی مین اڑ جاے

(باقی)

ادبیات

کلام شبلیؔ

خلیفہ عمر بن عبد العزیز کا انصاف

پسرِ عبدِ عزیز امَوی
عدل مین ثانی ابن الخطاب

جب ملا تختِ خلافت اُن کو
ہو گیا گلشنِ گیتی، شاداب

ایک شب گھر سے چلے بہر نماز
پڑ گیا جب رخِ عالم پہ نقاب

کوئی آوارہ وطن تند مزاج
صحنِ مسجد مین تھا، آلودۂ خواب

پانون کا ان کے ٹھوکا جو لگا
جاگ اٹھا اور کیا اُن سے خطاب

"خیر ہے! کیا کوئی مجنون ہے تو؟
یا کہ ہی کچھ تیری آنکھون پہ حجاب؟"

ہنس کے فرمایا کہ "مجنون نہین
کچھ نہین مجھ مین جنون کے اسباب

ہان مگر ہو گئی مجھ سے تقصیر
آپ سے عفو کا طالب ہون جناب!"

چوبداروں نے کیا اُسکو اسیر
چاہتے یہ تھے کہ دین اسکو عذاب

آپ نے روک دیا ان کو وہین
پھر کیا اون سے یہ آہستہ خطاب

"اس نے اک بات فقط پوچھی تھی
جو مناسب تھا دیا مین نے جواب

بات قطعی تو نہین اس نے کہی
پوچھنا کچھ نہین شایانِ عتاب

اتنی سی بات پہ یہ جوشِ غضب!
اتنی سی بات پہ یہ خشم و عتاب

بیکسون کو مین ستاؤن کیونکر!
مجکو دینا ہے قیامت مین جواب"

ایک ناتمام نظم

اک شہر ہین کہ پایۂ تخت قدیم ہے
پچھلے پہر سے آج عجب شور و شین ہے

دیوار و در سے تہنیت فتح ہے بلند　غل ہو کہ آج عیش ہی راحت ہی چین ہے
پرچم مین، بیرقین ہین، علم ہین نشان ہین　گویا کہ وقت بزم ہی حشر قین ہے
مسند نشین ہی تخت حکومت پہ جلوہ گر　دربار ہی کہ جلوہ گہ زیب و زین ہے
ہین بے نقاب پردگیان حریم قدس　جن کی زبان پہ شور ہی نوحہ ہی بین ہے
تاکید اون پہ ہی کہ ادب سے کھڑی رہین　یعنی کہ احترام شہی فرض عین ہے

سِرّ الحیاۃ

فریاد ہے کہ قوم مین اب زندگی نہین　شیرازۂ جماعت قومی ہے منتشر
فقدان آرزو ہے تمنا کا قحط ہے　ترغیب کا ہی ذوق نہ ترہیب کا خطر
قوت نہ بازوون مین نہ سر مین علوی فکر　کچھ اضطراب قلب نہ کچھ کاوش جگر
جوشش عمل نہ ولولۂ کاروبار ہے　اک موت سی ہے چھائی ہر اک فرد قوم پر
نے آرزو ہے علم نہ فکر حصول جاہ　فارغ ہین احتیاج زمانہ سے سربسر

اے چارہ گر! تغافل دیرین سے ہوشیار!　معلوم ہے نہ رمز حیات امم مگر
مانا کہ دست پیر مین اب ارتعاش ہے　مانا کہ پاؤن مین نہ رہی طاقت سفر
مانا کہ آبلے ہین کف پا مین جابجا　چہرے کے لگے ہوے ہین کئی جسم زار پر
مانا کہ لب مین قوت گفتار بھی نہین　باقی نہین ہے چشم حقیقت مین اب بصر
یہ سب صحیح، پر ہے ضروری بقای روح　لازم ہے فکر زخم جگر سب سے پیشتر
تعلیم نو، سیاست ملکی، فنون حال　اکسیر ہے، مگر نہ علاج دل و جگر
وہ جذب مذہبی ہے وہ ملت کا جوش ہی　جو چشمۂ حیات ہے اور قوت بشر
پیدا ہو جب وہ شعلۂ آتش کی شکل مین　ق　ہو جای جب وہ برق کی صورتین جلوہ گر
ان سست بازوون مین پہاڑ ونکا زور ہو　ان مضمحل قوی مین ہون طوفان کا اثر

رمزی

مطبوعات جدیدہ

۱

فلسفۂ اجتماع، جدید تعلیم نے اپنی پنجاہ سالہ عمر مین جو نتائج علمی پیدا کیے ہین اون کی یاد ہماری جدید تاریخ کا المناک واقعہ ہی، تاہم کبھی کبھی اس طویل داستان غم مین مسرت اور خوشی کے استثنائی واقعات جب اتفاقاً نمودار ہو جاتے ہین تو ہمارا دل فخر و ناز سے معمور ہو جاتا ہی، انہین استثنائیات مین سے ایک ہمارے دوست مسٹر عبد الماجد بی، اے ہین، علوم جدیدہ کی مختلف شاخون مین سے اُنکو علم النفس سے خاص ذوق ہی، چند سال سے جب سے اُنھون نے اپنی علمی زندگی کا آغاز کیا ہی اس فن کے مختلف شعبون پر انھون نے تین کتابین لکھی ہین، فلسفۂ جذبات کے نام سے ۱۹۱۴ء مین ایک تصنیف اون کی مقبول ہو چکی ہی، امسال انھون نے اس فن پر دو اور کتابین لکھی ہین، سایکالوجی آف لیڈرشپ، اور فلسفۂ اجتماع،

فلسفۂ اجتماع اردو زبان مین، ۲۳۰ صفحہ کی ایک مستقل کتاب ہی، اس کتاب کا موضوع جماعات انسانی کے اجتماعی خصائص نفسانی کی فلسفیانہ تشریح ہی، آج کل جب مجامع عامہ کی کثرت، مجالس قومی کی نشست و برخاست نے ملک مین ہنگامہ کارزار برپا کر دیا ہی اس کتاب کا مطالعہ ہر تعلیم یافتہ کے لئے ازبس ضروری ہی، کتاب کی مخصوص تنقید ہم کسی آئندہ فرصت کے حوالہ کرتے ہین، قیمت عہ،

۲

سایکالوجی آف لیڈرشپ، مصنف ممدوح کی یہ ایک دوسری تصنیف انگریزی زبان مین ہے، انگلینڈ کی ایک مشہور پبلشنگ کمپنی نے اسکو لندن سے شائع کیا ہی، انگریزی پریس نے اس کتاب کی معقول حد تک تعریف کی ہی، کتاب کا موضوع، رہنمایان اقوام کے خصائص نفسانی کی توضیح و تشریح ہی، جابجا ہندوستان کی موجودہ واقعات کی تمثیل سے کتاب نہایت دلچسپ بنگئی ہی، قیمت دو روپیہ، غالباً یہ دونون کتابین مصنف سے سلطان جہان منزل، علیگڈھ سے ملین گی،

۳

معارج الدین، پروفیسر سید نواب علی ایم۔اے، مذاق علمی کے ساتھ مذہبی شیفتگی مین ابنای تعلیم جدید مین خاص امتیاز کا حق رکھتے ہین، اس سے پہلے تذکرۃ المصطفی کے نام سے آنحضرت صلعم کی ایک مختصر سیرت لکھ چکے ہین، معارج الدین انکی ایک مسلسل تصنیف کا پہلا نمبر ہے، انھون نے ارادہ کیا ہے کہ سائنس اور دیگر مذاہب کے مقابلہ مین وہ ایک جدید علم کلام کی بنیاد ڈالین، زیر تقریظ حصہ ۱۳۰ صفحہ پر تمام ہوتا ہے، سب سے پہلے اس حصہ مین، سائنس کے اصولی مباحث کی بالاختصار تشریح کی گئی ہے، اسکے بعد مصر، ہندوستان، یونان، مذہب بودھ، مجوسیت، یہودیت اور عیسائیت کے عقائد عامہ کی تفصیل ہے، بعد ازین عقائد اسلام کی تشریح اور دیگر مذاہب سے اُنکا مقابلہ و موازنہ ہے،

کتاب کی کثرت معلومات اور قوتِ استدلال مین کوئی کلام نہین لیکن امید ہے کہ دوسرے حصے منطقی ترتیب اور مناسب فصل و وصل اور تسلسل ابواب مین اس سے بہتر ہونگے، اس حصہ کی قیمت عمر ہے مصنف سے ناگرواڑہ بروده کی پتہ سے ملیگی

۴

حقائق اسلام، مفتی انوار الحق، ایم۔اے ڈائرکٹر تعلیمات بھوپال کی یہ ایک جدید تصنیف ہے، مفتی صاحب نے یہ کتاب ہز ہائنس والیہ عالیہ بھوپال دام اقبالہا بالعز والاجلال کی فرمائش سے ترتیب دی ہے، اسمین اسلام کے عقائد و عبادات و معاملات وغیرہ کی خوبیان عقلی اور خطیبانہ دلائل سے ثابت کی ہین، کتاب ۲۰۳ صفحہ پر نہایت اہتمام سے طبع ہوئی ہے قیمت عہ مصنف سے تاج محل بھوپال سے ملیگی

معارج الدین اور حقائق اسلام پڑھکر ایک طرف مسرت ہوتی ہے کہ جدید طبقہ مین بحمد اللہ ایسے اشخاص پیدا ہوگئے ہین جو قابلیت کے ساتھ مذہبی مسائل پر قلم اٹھا سکتے ہین لیکن یہ دیکھکر رونے کو جی چاہتا ہے کہ علماے کرام کی نافرض شناسی اب تک بدستور قائم ہے یہ کام نواون کے کرنیکے تھے،

۵

مکاتیب شبلی، مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے اُن خطوط و مکاتیب کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات مین اپنے عزیزون اور دوستون کے نام انھون نے لکھے یہ مجموعہ ادبی، مذہبی، علمی، اصلاحی خیالات و معلومات کا ذخیرہ ہے، طبع و کاغذ اعلی ضخامت ۲۳۰ صفحہ قیمت عہ دفتر معارف سے ملیگی،

عدد دوم	ماہ شوال ۱۳۳۴ھ مطابق اگست ۱۹۱۶ء	مجلد اول

فہرس مضامین